ہندوستانی روسی

محمد الدین فوق

ظفر برادرس تاجران کتب لاہور پنجاب / سرینگر کشمیر کا جنگی سلسلہ تالیفات ۲

ہندوستانی وی سی

جس میں

ہندوستان کے ان بہادر۔ جوانمرد۔ اور جانباز فوجی سپاہیوں کے شجاعانہ کارناموں کا ذکر ہے۔ جنہوں نے پانچسالہ جنگ عظیم یورپ اور موجودہ جنگ میں نہ صرف اپنی قوم اپنے وطن اور اپنی سرکار ہی کا نام روشن کیا ہے۔ بلکہ نمایاں بہادری کے ساتھ خدمات انجام دینے کے صلہ میں وکٹوریہ کراس کا وہ عظیم الشان اور بہترین تمغہ حاصل کیا ہے۔ جس سے زیادہ وقعت اور قیمت اور کسی تمغہ کی نہیں ہے۔

اور جس کے دیباچہ میں

فوجی زندگی کی اہمیت اور قدر وقیمت اور اس کے لاانتہا مالی و اخلاقی فوائد بتائے گئے ہیں

سنہ ۱۹۴۲ء

از محمد الدین فوق

قیمت ۸ر

فہرست مضامین

دیباچہ

ہندوستانی فوج کے جن نامور بہادروں کا یہ مختصر سا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے ۔ ہرچند یہ ان کے حالات مفصل نہیں ہیں ۔ اور ہرچند کہ ایسے بہادروں کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں ہے مگر یہ وہ لوگ ہیں ۔ جو اپنے حیرت انگیز کرتبوں اور اپنی ہیبت ناک جان بازیوں سے امن تہذیب ۔ انسانیت اور وعدہ خلافیوں کے سب سے بڑے دشمنوں کو ان کے تمام منصوبوں اور ارادوں سمیت پامال کرتے رہے ہیں ۔ اور جنہوں نے اپنی وفاداریوں سے سرکار برطانیہ کا نام تمام دنیا میں خاص اقتدار کے ساتھ روشن کر رکھا ہے ۔

جنگ عظیم یورپ (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں ہندوستان اپنے لاکھوں فرزند بھیج چکا ہے (صرف پنجاب ہی سے چار لاکھ جوان جا چکے تھے) چونکہ وکٹوریہ کراس کا تمغہ صرف اُنہی لوگوں کو ملتا ہے جو زمانہ جنگ میں خاص طور پر بڑی دلیری اور جان بازی سے کسی حیرت انگیز بہادری کا کام دکھایا کرتے ہیں ۔ اور ایسے جوانمردانہ کارنامے چونکہ خاص خاص جوانوں ہی سے ظاہر ہوا کرتے ہیں ۔ اس لئے یہ تمغہ بھی خاص خاص بلکہ خال خال جوانوں ہی کو ملا کرتا ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہرچند گذشتہ جنگ عظیم میں جو پانچ سال تک جاری رہی ہے ۔ اور موجودہ جنگ عظیم میں جو ستمبر ۱۹۳۹ء سے شروع ہے ۔ اور ابھی تک برابر جاری ہے ۔ فوجی بہادروں کی کثیر تعداد نے بہادری کے تمغے اور انعامات اور اعزاز حاصل کئے ۔ لیکن وکٹوریہ کراس کا تمغہ پانے والوں میں اب تک ہندوستانیوں کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہیں بڑھ سکی ۔ اسی سے اس بیش بہا تمغہ کی قدر و قیمت اور اہمیت معلوم ہو سکتی ہے ۔

اس چھوٹی سی کتاب میں جن ہندوستانیوں نے گذشتہ جنگ عظیم میں وکٹوریہ کراس کے تمغے حاصل کئے ہیں۔ ان کی تعداد بارہ ہے۔ اور جنہوں نے موجودہ جنگ میں حاصل کئے ہیں۔ ان کی تعداد اس وقت تک صرف دو ہے لیکن ذکر اس کتاب میں تین کا ہے تیسرے ایک برٹش افسر ہیں جن کا تعلق انڈین آرمی سے ہے۔

صفحہ ستاون پر ایک اور نوجوان کا ذکر ہے جس نے وزیرستان کی جنگ میں جبکہ وہ ابھی بالکل معمولی سپاہی تھا۔ اپنی بے مثال شجاعت سے یہ تمغہ حاصل کر لیا تھا۔ اور جو آج بھی صوبیدار میجر کی حیثیت میں اپنے جنگی فرائض بسلسلہ ملازمت ادا کر رہا ہے۔

میں نے اس مختصر سی کتاب کی تکمیل میں اردو فوجی اخبار کے ۱۹۱۵ء اور اس کے بعد کے چند پرچوں اور فروری ۱۹۴۲ء کے رومن اردو فوجی اخبار کے علاوہ ایک رومن اردو کتاب فوجی شیر مرد کو بھی زیر نظر رکھا ہے۔

یہ کتاب درحقیقت ۱۹۱۹ء میں لکھی گئی تھی۔ اور اس وقت تک کے تمام وکٹوریہ کراس پانے والوں کا مختصر سا حال اس میں درج تھا لیکن یہ مختصر سا مسودہ ایسا نظر انداز ہوا۔ کہ تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکا ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء میں یہ مسودہ پرانے کاغذات میں سے نکل آیا لیکن اس کی طباعت کا چونکہ کوئی مناسب موقعہ پیش نظر نہ تھا۔ اس لئے کئی سال تک یہ مسودہ پھر یونہی پڑا رہا۔

اب موجودہ جنگ کے ایام میں نظر ثانی کے بعد اضافہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ امید ہے۔ ملک کے ان مایہ ناز بہادر جوانوں کے حالات دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

یکم اپریل ۱۹۴۲ء

محمد الدین فوق

لاہور

فوجی زندگی کی اہمیت اور اس کے فوائد

فوجی زندگی میں سب سے زیادہ جان کا نقصان ظاہر کیا جاتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ فوجی سپاہی ہر وقت اپنے آپ کو موت کے منہ میں سمجھتا ہے لیکن کیا فوجی اور کیا غیر فوجی ہر شخص کا یہ یقین اور ایمان ہے۔ کہ موت اٹل ہے۔ وہ ہر ذی روح کے لئے لازمی ہے۔ سو سال کی عمر ہو یا اس سے کم اور زیادہ آخر مرنا ہے۔ کوئی قوت اور کوئی طاقت کوئی ڈاکٹر اور کوئی حکیم کسی غریب امیر اور شہنشاہ تک کو موت کے بے رحم پنجہ سے بچا نہیں سکتا۔ اور پھر یہ کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ وقت مقررہ سے ایک منٹ آگے یا پیچھے نہیں آسکتی۔ اس لئے موت کے استقبال کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئیے۔ لیکن موت کیڑوں مکوڑوں کی طرح نہ ہو جینا ہو تو عزت کا ہو اور مرنا ہو تو عزت کا ہو۔ خوف اور ہراس بے فائدہ ہے اس اعتقاد پر اور اس یقین پر کہ موت کا پیغام اپنے مقررہ وقت سے پہلے کبھی نہیں آسکتا مضبوط ارادہ کے ساتھ قائم رہنا چاہئیے۔

کیا فوجی سپاہیوں کو معلوم نہیں ہے کہ میدان جنگ میں جہاں بندوق کی گولیوں اور توپ کے گولوں اور ہوائی جہازوں کے بموں کا مینہ برستا رہتا ہے۔ وہی شخص ان کا نشانہ بنتا ہے۔ جس کا وقت آجاتا ہے۔ اور جس کا وقت ابھی تک نہیں آیا۔ اس جلتی آگ اور شعلوں کی ان تنزر باریوں میں بھی اس کا بال بیکا نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ کئی لوگ دل کی حرکت بند ہونے سے چند لمحوں ہی میں دم توڑ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ چند منٹ پیشتر وہ چنگے بھلے تھے۔ ایسے واقعات بھی

ہماری آنکھوں نے اکثر اوقات دیکھے ہیں۔ کہ خربوزہ یا آم یا کیلے کے ذرا سے چھلکے سے کسی کا پاؤں پھسلا اور گر پڑا اور دیکھا۔ تو وہ ملک عدم کو پہنچ چکا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان مرنے والوں کا وقت اخیر آگیا تھا۔ ان کے لئے موت نے آخر کوئی حیلہ اور بہانہ تلاش کرنا تھا۔

اس لئے جوانمرد موت سے نہیں ڈرا کرتے۔ اور پھر فوجی نوجوان کا تو قول ہی یہی ہونا چاہئے۔ کہ اول مرنا آخر مرنا پھر مرنے سے کیا ڈرنا تلوار مار کر مرنا ہزار زندگی سے بہتر ہے۔

فوجی نوجوان اگر اپنے ملک اور اپنے بادشاہ کی حفاظت وعزت کے لئے میدان جنگ میں مارا بھی جائے۔ تو شہید وطن ہے۔ اور اگر دشمن پر فتح پائے تو غازیئے ملک ہے۔ غرض اس کی موت بھی اور اس کی زندگی بھی قوم اور ملک کی زندگی ہے۔ جس شخص کو یہ موت اور یہ زندگی جس کے ساتھ اس کے وطن کی امیدیں وابستہ ہوں نصیب ہو۔ اس سے زیادہ بخت آور شخص اور کون ہو سکتا ہے۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں "بدریا در منافع بیشمار است" یعنی دریا کی تہ میں جانے سے بیشمار فواید حاصل ہوتے ہیں۔ موتی وغیرہ دریا کی تہ ہی سے ملتے ہیں۔ مگر اس میں خطرات بھی بہت ہیں۔ دوسرے مصرع میں کہتے ہیں۔ "اگر خواہی سلامت بر کنار است" یعنی اگر تو خطروں سے بچنا چاہتا ہے اور کچھ حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ تو دریا کے کنارے پر ہی بیٹھا رہ۔ کہ اسی میں تیری سلامتی ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے۔ کہ وہ سلامتی کس کام کی جو بے حس و حرکت ہو۔ جو نہ اپنے آپ کو فایدہ پہنچا سکے اور نہ کسی دوسرے کو۔

ڈاکٹر سر اقبال بھی ایک قطرہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تو موتی بننا چاہتا ہے۔ تو اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر سمندر کی تہ میں چلا جا اور صدف (سیپ) کے اندر سما جا۔ اور موتی بن کے باہر آ۔ ان کا مشہور مصرع ہے۔ ع اگر خواہی حیات اندر خطر زی۔ یعنی اگر تجھے شہرت اور زندگی درکار ہے۔ تو کسی خطرہ اور خوف کی پروا نہ کر۔ بلکہ خطروں کا مقابلہ کر۔ اور ان کے اندر زندہ رہ کر دکھا۔

شیخ سعدی اور سر اقبال نے جو کچھ کہا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ کامیابی اور شہرت کے لئے بڑی بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن ان سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ بلکہ مردوں اور جواں مردوں کی طرح ان مشکلوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ ہمیں امید ہے کہ جان کے خوف سے ہر فوجی سپاہی بے پرواہ رہے گا۔ بلکہ جب وہ فوجی ملازمت میں قدم رکھتا ہے۔ اسی وقت اس کو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ اس کی زندگی اپنے وطن اور اپنے بادشاہ کی عزت اور ناموری کے لئے وقف ہو چکی ہے۔

کئی لوگ فوج میں بھرتی ہونے سے اس بنا پر ہچکچاتے ہیں۔ کہ ہم اپنے وطن اور اپنے بادشاہ کے ننگ و ناموس کی خاطر جان تو گنوا بیٹھے۔ یا اپنے آپ کو ہم نے موت و حیات کی کشمکش کے اندر ڈال تو دیا۔ لیکن ہماری ذات اور ہمارے بال بچوں کو معمولی تنخواہ کے سوا اس سے کیا فائدہ پہنچا۔ اور ہمیں اس سے ملی اور اخلاقی کیا فوائد حاصل ہوئے؟ ان کی یہ ہچکچاہٹ اور پریشان خیالی ان کی لاعلمی کی وجہ سے درست ہے۔ اس لئے ہم ان کو یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ فوج میں بھرتی ہو کر اور کارہائے نمایاں دکھا کر ان کو کیا کچھ حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ حکومت وقت یوں تو اپنے ہر وفادار حکومت کی قدر کرتی ہے۔ لیکن

فوجی سپاہی اپنی جان نثاری اور بہادری سے حکومت کی نظروں میں دوسرے وفاداروں سے زیادہ قابل عزت سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ ایک فوجی سپاہی خواہ وہ اَن پڑھ ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے فرائض منصبی تندہی سے ادا کر کے فوج میں بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر سکتا ہے۔ جو سول ملازمت میں کسی گریجوایٹ کو ہزاروں روپے تعلیم پر خرچ کرنے کے بعد بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔

۳۔ فوجی سپاہی ستر اسی ماہوار کی جمعداری حاصل کرتے ہی کمیشن افسر اور دربار میں گزیٹیڈ افسر کی حیثیت سے کرسی نشین ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ اعزاز ہے۔ جو کئی سویلین افسروں کو بھی نصیب نہیں ہے۔

۴۔ جمعدار کو سیکنڈ کلاس اور اس سے بڑے درجہ کے افسروں کو فسٹ کلاس ریلوے پاس اپنے حکام کی طرف سے ملتا ہے۔

۵۔ اگر فوجی سپاہی اپنی ڈیوٹی کے دوران میں کسی صدمہ یا اتفاقیہ موت کا شکار ہو جائے۔ تو اس کی بیوہ یا اس کے وارث کو اس کی زندگی تک پنشن ملتی رہتی ہے۔

۶۔ ملٹری کراس اور وکٹوریہ کراس جیسے اعلےٰ تمغے فوجی سپاہیوں کے لئے ہی وقف ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ تمغے اعلےٰ افسروں کو ہی ملتے رہیں۔ بلکہ ایک معمولی سپاہی بھی غیر معمولی شجاعت و وفاداری دکھا کر ان کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور اپنی فوج میں اپنے افسروں سے بھی سلامی لینے کا حق دار ہو جاتا ہے۔ اور ان تمغوں کا الاؤنس بھی حاصل کرتا رہتا ہے۔

۷۔ فوجیوں کو عام پنشنوں کے علاوہ بہادری کی خاص پنشنیں اور جاگیریں بھی عطا ہوتی رہتی ہیں۔

۸ - فوجی سپاہی وہ رسالہ میں ہو یا پیدل فوج میں پنشن پانے پر بعض حالات میں گورنمنٹ کی طرف سے چند مربع زمین بھی حاصل کر سکتا ہے جس کی آمدنی سے وہ اپنی زندگی بہ آرام بسر کر سکتا ہے۔

۹ - چھاؤنیوں میں فوجوں کے اندر اَن پڑھ سپاہیوں کو پڑھانے کے لئے مولوی اور گرنتھی اور پنڈت مقرر ہوتے ہیں - ان فوجی سکولوں میں حکماً ہر سپاہی کو دو گھنٹے روزانہ پڑھائی کرنی پڑتی ہے جہاں فیس کی معافی تو درکنار - سٹیشنری - کاغذ - قلم - دوات - سلیٹ - پنسل - کتاب تک مفت ملتی ہے -

۱۰ - سویلین کے لئے حکومت کی طرف سے شہروں کی عام صفائی کے علاوہ کوئی خاص انتظام نہیں ہے یا ہے تو ایسے اعلےٰ درجہ پر نہیں ہے - کھیل کود - ورزش - تفریح طبع - سڑکوں کی صفائی - کشادگی - بلکہ خوشنمائی اور کھلی آب وہوا کا لطف چھاؤنیوں میں ہی نصیب ہوتا ہے - ان سب باتوں کا اثر صحت و تندرستی پر پڑتا ہے۔

۱۱ - شہروں میں کہیں ہندو مسلم فساد ہے کہیں مسلم سکھ اور کہیں سکھ ہندو جھگڑا حکام کو پریشان اور جھگڑا کرنے والوں کو خراب کرتا رہتا ہے - مگر چھاؤنیاں اس وبا سے بالکل خالی ہیں - وہاں ؎

ہندو مسلم سکھ عیسائی سب ہیں باہم بھائی بھائی

کی ہیجم کیفیت دکھائی دیتی ہے - باہمی میل جول اکٹھے رہنے سہنے اور اُٹھنے بیٹھنے نے سب کو ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ کا شریک بنا کر فرض انسانیت کی ادائیگی کا پورا پورا احساس کرا رکھا ہے۔

۱۲ - فوجی سپاہی جب جنگ میں شریک ہو کر اپنے وطن سے دور ہو

جاتے ہیں۔ تو ان کی دلبستگی اور ان کے شغل کے لئے تماش اور مختلف کھانے پینے اور تفریح طبع کی چیزیں ان کو مفت دی جاتی ہیں۔ اور جو لوگ ان میں لکھے پڑھے ہیں۔ ان کے مطالعہ کے لئے ان کے اہل وطن سرکار کی معرفت ان کو مفت کتابیں ارسال کرتے ہیں۔

۱۳۔ سپاہیوں کی ڈاک یعنی ان کے خطوط آمد و رفت کا تمام خرچ حکومت برداشت کرتی ہے۔ اور فوجیوں اور ان کے وارثوں کو خطوط پیو یا پارسلوں پر کوئی ٹکٹ نہیں لگانا پڑتا۔ اور فوجی سپاہی سمندر پار جہاں کہیں شامل جنگ ہوں۔ ان کی ڈاک ان کو برابر پہنچائی جاتی ہے۔

۱۴۔ اگر خدانخواستہ ہمارے کچھ سپاہیوں یا افسروں کو دشمن گرفتار کرکے جنگی قیدی بنالے۔ تو ان کے خطوط اور پارسل ریڈ کراس سوسائٹیوں کے ذریعہ ان کو پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ ان کی چیزیں بالعموم ان کو مل ضرور جاتی ہیں۔ لیکن جنگی مشکلات اور رستوں کے ہیر پھیر کے باعث ذرا دیر سے ملتی ہیں۔

۱۵۔ تین چار سال کے بعد فوجوں کو ایک چھاؤنی سے دوسری چھاؤنی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح فوجیوں کو جگہ جگہ کی سیر اور مختلف ملکوں اور قوموں کے عادات و اطوار اور رسم و رواج اور ان کے طریق زندگی نسے بہت سے تجربے ہو جاتے ہیں۔ جن سے وہ پنشن کے بعد اپنے گھروں میں جاکر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۱۶۔ فوجی سپاہیوں کو بعض دفعہ ملک معظم کا ایڈیکانگ ہوکر اور بعض اوقات شامل جنگ ہوکر سمندر پار جانا پڑتا ہے۔ ان حالات میں ان کو تنخواہ کے علاوہ راشن اور الاونس مفت ملنے کی وجہ سے معقول مالی فائدہ

ہوجاتا ہے۔

۱۷۔ فوجی سپاہیوں کو گورنمنٹ نے یہ رعایت بھی دے رکھی ہے۔ کہ پنشن کے بعد کسی دوسری ملازمت کے لئے دیگر امیدواروں کی نسبت ان کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ اکثر فوجی پنشنر ریلوے سٹیشنوں اور حکومت کے دیگر مختلف محکموں میں ملازم ہیں۔

۱۸۔ ملازمت سے رخصت ورضا کے لئے بھی رعائتی قواعد مقرر ہیں۔ اور وہ سہولت کے ساتھ سال دو سال کے بعد اپنے بال بچوں اور عزیز واقارب سے ملتے رہتے ہیں۔

۱۹۔ فوجیوں کے دیوانی مقدمات ان کے شامل جنگ ہونے کی وجہ سے التوا میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کے وارثوں کی خبرگیری اور حفاظت اور ان کی شکایات سننے کے لئے اکثر مقامات پر سولجرز بورڈ کھول دیئے جاتے ہیں۔

۲۰۔ جن دیہات میں کبھی کوئی منی آرڈر برس چھ مہینے کے اندر آیا کرتا تھا۔ فوجی سپاہیوں کی برکت سے وہاں ہزاروں سینکڑوں روپے ہر مہینے آجاتے ہیں۔ اور بعض حالات میں ان کے آرام کی خاطر نئے ڈاک خانے کھول دیئے جاتے ہیں۔

۲۱۔ معمولی زمیندار اور بے سرمایہ لوگ اپنی عامیانہ حالت کو سدھارنے کے لئے فوج میں بھرتی ہوکر باعزت روزگار حاصل کرسکتے ہیں۔ اور یہہ روزگار ایسا ہے۔ جو ان کو کسی کی منت خوشامد کے بغیر سرمایہ دار بنا سکتا ہے۔

۲۲۔ بعض والیان ریاست ان سب رعائتوں کے ساتھ جنگ میں بھرتی ہونے والوں کی خاطر ان کے پسماندگان متعلقین اور لواحقین کو کار سرکار یعنی

بیگار بھی معاف کر دیتے ہیں۔

۲۳۔ ہندوستانی ریاستوں سے جو لوگ فوجوں میں بھرتی ہوتے ہیں۔ ان کو دوہرے فایدے ہیں۔ ایک تو ان کی خاص قابل قدر بہادریوں پر حکومت ہند ان کو انعام یا تمغہ یا جاگیر وغیرہ عطا کرتی ہے۔ دوسرے والیان ریاست اپنی طرف سے بھی ان کو جاگیر وغیرہ عطا کر کے یا اور بہت سی مراعات دیکر ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ جنگ میں ہز ہائنس مہاراجہ صاحب جودھپور مارواڑ نے جمعدار گوبند سنگھ راٹھور کو چار گاؤں جاگیر میں عطا کئے۔ اور موجودہ جنگ میں ہز ہائنس مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر فرمانروائے ریاست جموں وکشمیر نے اپنے ایک بہادر ڈوگرہ راجپوت کو لیبیا (افریقہ) کے میدان جنگ میں نمایاں بہادری دکھانے کے صلہ میں ۳۶۰۰ روپیہ سالانہ کی جاگیر عطا کی ہے۔ اور ان کی حکومت اسمبلی کے سشن جموں ۴۲ء کے ایک سرکاری بیان کے مطابق اس امر پر غور کر رہی ہے کہ جنگ میں شامل ہونے والے سپاہیوں کے لڑکوں کو مدارس میں دسویں جماعت تک مفت تعلیم دی جائے۔ نیز ہز ہائنس نواب صاحب بہاولپور نے ان طالب علموں کی فیس کی معافی کے علاوہ جن کے والد لڑائی پر گئے ہوئے ہیں۔ ان کے وظائف کے لئے بھی پانچہزار روپیہ وقف کر دیا ہے۔ اسی طرح امید ہے۔ حوصلہ افزائیوں کا یہ سلسلہ اور ریاستوں میں بھی شروع ہوگا۔

وکٹوریہ کراس کا تمغہ اور اس کی تاریخ

اس سے پیشتر کہ وکٹوریہ کراس حاصل کرنے والے خوش نصیب بہادر سپاہیوں کے حالات لکھے جائیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وکٹوریہ کراس کے تمغہ میں جو شان امتیازی پائی جاتی ہے۔ اور جس کی وجہ سے اس کی عظمت تمام دیگر تمغوں سے بالاتر ہے۔ کسی قدر بیان کر دی جائے۔

یہ تمغہ جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ قیصرہ ہند ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے نام پر ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا۔ اور ستاسٹھ سال تک برطانوی افسر اور برطانوی سپاہی ہی اس کو حاصل کرنے کی عزت حاصل کرتے رہے۔

ہندوستان کی خوش قسمتی تھی۔ کہ حضور ملک معظم جارج پنجم اپنی تخت نشینی اور تاجپوشی کی تقریب سعید پر بہ نفس نفیس ہندوستان میں تشریف لائے۔ اسی موقع پر ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو جبکہ دہلی میں دربار تاجپوشی کی شاندار رسم ادا ہوئی اور جب بہت سی شاہانہ مراعات کا اعلان ہوا تو اس قابل فخر تمغہ کے عطیہ میں ہندوستانی سپاہ کو بھی شمولیت کی عزت عطا کر کے رنگ و نسل اور برطانوی و ہندوستانی سپاہیوں کی تمیز بالکل اٹھا دی گئی۔

چنانچہ یہ تمغہ جو ۱۸۵۶ء یعنی اپنے یوم اجرا سے لے کر ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء

تک بڑی سے بڑی فوجی بہادری کے صلہ میں کسی بڑے سے بڑے ہندوستانی کو بھی نہ مل سکتا تھا۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء سے ہر انڈین فوجی بہادر کے لئے خواہ وہ اعلےٰ افسر ہے یا معمولی سپاہی بری فوج میں ہے یا بحری میں ویسا ہی کھلا ہوا ہے جیسا برطانوی سپاہ کے لئے۔ بلکہ یہ تمغہ اب سول اور دوسرے محکموں کے ان لوگوں کو بھی مل سکتا ہے۔ جو فوج کی متعلقہ خدمات کی انجام دہی پر اپنے آپ کو اس سب سے بڑی فوجی عزت کا اہل ثابت کرسکیں۔

میدان جنگ میں نمایاں بہادری کے ساتھ خدمات انجام دینے کے صلہ میں سرکار انگریزی کی طرف سے فوجی بہادروں کو مختلف قسم کے جس قدر تمغے ان کی عزت افزائی کے لئے ملتے ہیں۔ ان سب میں وکٹوریہ کراس کے تمغہ ہی کو فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ یہ تمغہ ایک چھوٹی سی کانسی کی بنی ہوئی صلیب کی شکل کا ہے۔ جس پر مندرجہ ذیل الفاظ کندہ ہیں "بہادری کے لئے" اسی صلیب کا نام وکٹوریہ کراس کا تمغہ ہے۔ اور ہرچند اس کی اپنی ذاتی مالیت کچھ بہت زیادہ نہیں ہے۔ تاہم جیسا کہ اس سے قبل لکھا گیا ہے۔ اس کی قدر و منزلت دوسرے تمام تمغوں سے بہت زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی خوش نصیب بہادر کے پاس وکٹوریہ کراس کے تمغہ کے علاوہ اور بھی کئی تمغے اور خطابات و اعزاز ہوں۔ تو ان سب سے پہلے وکٹوریہ کراس ہی کے تمغہ کو جگہ ملیگی۔ بلکہ جب کسی کو یہ تمغہ مل جائے۔ اس کی عزت فوج میں یہاں تک کی جاتی ہے۔ کہ جب وہ فوج کے سامنے آتا ہے۔ خواہ وہ افسر ہے یا معمولی سپاہی۔ فوجی قاعدہ سے اس کو باقاعدہ سلامی دی جاتی ہے۔ درحقیقت یہی وہ تمغہ ہے۔ جو "بقامت کہتر بقیمت بہتر" کا صحیح مصداق ہے۔

اس تمغہ کا قطر ڈیڑھ انچ سے زیادہ نہیں ہے۔ اور یہ اس کانسی یعنی تانبا اور پیتل وغیرہ ملی جلی دھات سے بنایا جاتا ہے۔ جو توپوں کو گلا کر حاصل کی جاتی ہے۔

یہ توپیں جن کو گلایا جاتا ہے۔ کہاں سے آتی ہیں ؟ یہ وہ ہیں جن کو سرکار برطانیہ کے بہادر سپاہی جان پر کھیل کر اپنے دشمن سے حاصل کرتے ہیں۔ یہ تمغہ کسی بحری سپاہی کو ملتا ہے۔ تو اس کے سینہ پر بائیں طرف نیلے رنگ کے فیتہ میں باندھکر لٹکایا جاتا ہے۔ اور جب بری فوج کے کسی سپاہی کو ملتا ہے۔ تو سرخ فیتہ کے ساتھ اس کے سینہ پر اس کو جگہ ملتی ہے۔ یہ تمغہ اگر کسی کمیشن افسر کو ملے۔ تو تنخواہ کے علاوہ اس کو سوا پانچسو روپیہ کا سالانہ الاؤنس یا وشیقہ بھی اس کے ساتھ ملتا ہے۔ اور اگر اپنی خوش قسمتی سے وہ دوبارہ بہادری کا کوئی ایسا ہی بڑا اور کام کرے۔ جو تمغہ وکٹوریہ کراس کی عزت کے برابر ہو۔ تو اس کو ایک نشان کڑی کی صورت میں پہلے تمغہ کے ساتھ پہننے کے لئے دیا جاتا ہے۔ اور اس قسم کی ہر ایک کڑی کے لئے ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ کا الاؤنس اس کے پہلے الاؤنس (سوا پانچسو) میں بڑھا دیا جاتا ہے۔ یعنی اس کا سالانہ الاؤنس اب پونے سات سو روپیہ ہو جاتا ہے وارنٹ افسروں۔ نن کمیشن افسروں اور معمولی سپاہیوں کو جب یہ تمغہ ملتا ہے تو اس کے معاوضے میں ان کو ڈیڑھ سو روپے سالانہ۔ اور جب کوئی کڑی ملے۔ تو پچھتر روپے سالانہ ہر کڑی کے حساب سے ملتا ہے۔

ایک اور فایدہ اور سب سے بڑا فایدہ اس تمغہ میں یہ ہے کہ جب کسی وی سی یعنی وکٹوریہ کراس کا تمغہ حاصل کرنے والے کا انتقال ہو جاتا ہے۔ تو اس کا جائز وارث اس تمغہ کا بھی حقدار

سمجھا جاتا ہے۔ اور جو سالانہ الاؤنس ہو۔ وہ مرنے والے دی سی
کی بیوہ کو عمر بھر یا جب تک وہ دوسری شادی نہ کرلے برابر
ملتا رہتا ہے۔

جمعدار خداداد خان وی سی

یہی وہ بہادر نوجوان ہے۔ جس نے ہندوستان کی تمام دیسی فوجوں میں سب سے پہلے وکٹوریہ کراس کا تمغہ حاصل کیا۔ یہ موضع ڈب ضلع جہلم کا رہنے والا ہے۔ ۱۹۰۶ء میں ۱۲۹ پلٹن بلوچی میں بدمزہ سپاہیان بھرتی ہوا۔ اور جب ہندوستانی فوجوں کو ۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ یورپ میں سب سے پہلے سرزمین یورپ میں جانا پڑا۔ ان میں ۱۲۹ بلوچز بھی تھی۔ اور ہندوستانی فوج کو جرمنوں کے ساتھ جو مقابلہ سب سے پہلے کرنا پڑا۔ وہ ملک بلجیم میں تھا۔

پلٹن نمبر ۱۲۹ ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو مقام ہولبیک کے نزدیک ان مورچوں میں پہنچی جس کو نمبر ۱ پلٹن کیوری نے بنایا تھا۔ اس وقت خداداد خاں نائک تھا۔ ۲۲۔ اکتوبر سے ۲۷۔ اکتوبر تک یہ پلٹن مورچوں میں ہی جمی رہی۔ اور دشمن کی مسلسل آتشباری کا بے جگری سے مقابلہ کرتی رہی۔

جرمن مورچے ہمارے مورچوں سے کچھ زیادہ فاصلہ پر نہ تھے لیکن جگہ کی ناہمواری اور نشیب و فراز کی وجہ سے دو سو گز سے زیادہ فاصلہ تک کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

۱۲۹ پلٹن کی کمپنیاں ادھر اُدھر تبدیل ہو رہی تھیں کہ جرمنوں نے ہمارے مورچوں پر سخت گولہ باری شروع کر دی ہمارے مورچوں میں دو مشین توپیں تھیں دشمن کے ایک گولہ نے ہماری ایک توپ کو بالکل بیکار کر دیا۔ اور نہ صرف توپ ہی بیکار ہو گئی۔ بلکہ دستہ کا انچارج برطانوی افسر بھی زخمی ہو چکا تھا۔ دوسری

توپ کو خداداد خاں چلا رہا تھا لیکن دشمن کی گولی نے اس کو بھی زخمی کر رکھا تھا۔ اور ایک توپ کے بیکار اور برطانوی افسر کے زخمی ہونے کے علاوہ وہ دستہ کے پانچ جوانوں کی ہلاکت بھی اپنی آنکھ سے دیکھ چکا تھا۔ اس پر وہ خود بھی زخمی تھا۔ ان حالات میں اور اس گھبراہٹ میں بھی اس نے اپنے اوسان بجا رکھے۔ اور زخم خوردہ ہوکر بھی وہ توپ کا گولہ دشمن پر برابر برساتا رہا۔

اس دوران میں اس کے تمام ساتھی بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے مارے جا چکے تھے۔ لیکن توپ انگنی کا کام برابر جاری رکھکر اس نے کئی انگریزوں کی جانیں بچائیں اور جب دیکھا کہ دشمن کی طاقت زبردست ہے۔ تو اس نے توپ کو چھوڑنے سے پہلے ایسی بُری طرح ناکارہ کر دیا۔ کہ یہ ٹوٹی ہوئی اور بیکار توپ کسی لڑائی کے موقعہ پر دشمن کو کوئی کام نہ دے سکتی تھی۔ یہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۴ء کا دن تھا۔ اس غیر معمولی شجاعت کے صلہ میں فوج کے اعلےٰ احکام نے خداداد خان کو وکٹوریہ کراس کا تمغہ دیئے جانے کی پرزور سفارش کی۔

چنانچہ سب سے پہلے انگلستان کے نامور اخبار لندن گزٹ نے یہ خبر چھاپی۔ کہ خداداد خاں نائک کو نمایاں فوجی خدمت کے صلہ میں حضور ملک معظم نے وکٹوریہ کراس کا عالی قدر تمغہ عطا فرمایا ہے۔ جب یہ خبر ہندوستان میں پہنچی۔ تو اس پر بے حد خوشی کا اظہار کیا گیا۔ خصوصاً پنجاب کا کوئی اخبار ایسا نہ تھا جس نے اپنے ہم وطن اور ہندوستان کے سب سے پہلے وی سی کے اس اعزاز پر خوشی و مسرت کا اظہار نہ کیا ہو۔

خداداد کو وکٹوریہ کراس کے ملنے کی خبر تو چھپ چکی تھی لیکن زخمی ہونے کی وجہ سے چونکہ وہ فیلڈ ہسپتال میں داخل ہو چکا تھا۔ اور زیر علاج تھا۔ اس لئے اس کے تندرست ہونے پر وکٹوریہ کراس کے عطا کرنے کی رسم حضور ملک معظم نے جنوری ۱۹۱۵ء میں ادا فرمائی۔

دیکھو۔ خداداد خاں فوج کا ایک معمولی سپاہی ہے۔ لیکن مصیبت میں ہوش و حواس بجا رکھنے اور غیر معمولی شجاعت کے اظہار نے اسے ہندوستان اور انگلستان کے شہنشاہ حضور جارج پنجم تک پہنچا دیا۔ اور اس سے وہ تمغہ دلایا۔ جو اس سے قبل آج تک کسی ہندوستانی کو نہ مل سکا تھا۔"

مشکلیں ان کے لئے آسان آخر ہوگئیں
جن کے تکلیف و حوادث میں بجا اوسان تھے

خداداد خان یہ تمغہ پا کر تھوڑے ہی دنوں کے بعد حوالدار ہو گیا۔ اور ۱۵ مارچ ۱۹۱۷ء کو وہ اپنی پلٹن ۱۲۹ بلوچی میں لفٹین (جمعداری) کے عہدے پر سرفراز کیا گیا۔
اس زمانے کے لفٹنٹ گورنر سر میکائیل اوڈوائر نے اپنی تین جنگی تقریروں میں خداداد خان کی اس غیر معمولی شجاعت کا ذکر کیا۔ پہلی تقریر جو دربار راولپنڈی میں ۲۶ مارچ ۱۹۱۵ء کو ہوئی۔ اس میں فرمایا "یہ ہم سب کے لئے فخر کی بات ہے۔ کہ پہلا ہندوستانی سپاہی جس نے وکٹوریہ کراس حاصل کیا ہے۔ وہ ضلع جہلم کا باشندہ ہے۔ اس بہادر کا نام خداداد خاں ہے۔ اور وہ ۱۲۹ بلوچی رجمنٹ میں ملازم ہے۔ دوسری تقریر میں جو ۱۰ فروری ۱۹۱۶ء کو دربار جہلم میں ہوئی فرمایا "آپ حال ہی میں نائک خداداد خاں متعلقہ ۱۲۹ بلوچی ساکن دب کا اس موضع میں خیر مقدم کر چکے ہیں۔ جو لڑائی سے واپس آیا ہے اور جو نہ صرف پنجاب میں بلکہ ہندوستان میں پہلا شخص ہے۔ جس نے وکٹوریہ کراس حاصل کیا ہے۔"

سر مائیکل اوڈوائر نے یکم نومبر ۱۹۱۷ء کو جہلم میں پھر دربار منعقد کیا۔ اور اس میں پھر کہا "پچھلی مرتبہ جب میں نے آپ کو اسی جگہ مخاطب کیا تھا۔ اس وقت ۱۲۹ بلوچی کا سورما خداداد خان یہاں آ چکا تھا۔ اس نے ہندوستانی سپاہیوں میں سب سے

پہلے وکٹوریہ کراس کا وہ تمغہ حاصل کیا جس کی تمنا اور حسرت ہر سپاہی کے دل میں ہے۔
یہ اعزاز اس کو ۱۹۱۴ء میں بلجیم میں بے مثل شجاعت کے صلہ میں عطا ہوا تھا۔ اور وہ
ایسا وقت تھا کہ اس کے دستے کے تمام ساتھی مارے گئے تھے اور وہ تن تنہا اپنی
توپ چلاتا رہا تھا۔"

جمعدار خداداد خان دی سی

جمعدار میر دوست محمد وی سی

لیس نائیک لالہ وی سی

سپاہی چھنا سنگھ دی سی

جمعدار میر دوست محمد بہادر آئی او ایم وی سی

میر دوست محمد صوبہ سرحد کے ضلع مردان کا رہنے والا ہے۔ وطن اس کا لنڈی نام ایک گاؤں میں ہے۔ آپ نے حوالداری کے زمانہ ہی میں بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ اس زمانہ میں وزیرستان اور مہمند کی لڑائیاں جاری تھیں۔ آپ نے اس معمولی عہدہ میں جو کمیشن افسری سے نیچے تھا۔ اپنی بے نظیر بہادری کی وجہ سے انڈین آرڈر آف میرٹ کا اعلےٰ تمغہ حاصل کر لیا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں وکٹوریہ کراس ہندوستانی فوج کو نہیں ملا کرتا تھا۔ اس لئے آپ اس سے محروم رہے۔ ورنہ آپ کی بے نظیر شجاعت انہی ایام میں اس تمغہ کی مستحق تھی۔

لیکن ہر چیز اپنے وقت پر ہوتی ہے۔ آپ حوالداری سے ترقی کر کے اب جمعدار ہو گئے تھے۔ اور جب گذشتہ جنگ یورپ شروع ہوئی ہے۔ اس وقت آپ بنوں کی نام میں تھے۔ جب آپ کو فرانس جانے کا حکم ملا۔ تو آپ نے اپنے کرنل سے کہا اس جنگ میں یا تو میں اپنی سرکار پر سے نثار ہو جاؤں گا۔ اور اگر جیتا آیا۔ تو وکٹوریہ کراس لے کے آؤں گا۔

آپ ۵۵ کوکس رائفلز (متعلقہ ۵۷ وائلڈز رائفلز) میں جمعدار تھے۔ آپ کی رجمنٹ کو سیدھا فرانس کے میدان جنگ میں بھیجا گیا۔ ۲۶۔ اپریل ۱۹۱۵ء کا دن تھا جب آپ نے یپرس پر حملہ کر کے جرمن فوجوں میں ہلچل مچا دی۔ اس اچانک حملہ نے دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ وہ اس ناگہانی حملہ سے بالکل بے خبر تھے۔ اس افراتفری میں دشمن کو مقابلہ کی کیا جرات ہو سکتی تھی۔ اس نے بھاگ جانے ہی کو غنیمت سمجھا چنانچہ وہ جان بچا کر بھاگ گیا اور یہی کہتا گیا کہ جان بچی لاکھوں پائے۔

اس کامیابی کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا۔ کہ میر دوست محمد کی رجمنٹ کے افسروں پر سخت مصیبت نازل ہو گئی۔ یہانتک کہ ان میں سے قریبًا کوئی بھی نہ بچ سکا۔ اب یہ کیسا نازک وقت تھا۔ فوج موجود تھی۔ لیکن فوج کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ نے یہ حالت دیکھکر فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی اور دیر تک دشمن کا مقابلہ کرتے رہے لیکن حالات اس قسم کے تھے۔ کہ آپ زیادہ عرصہ تک ڈٹ کر مقابلہ کرنے سے معذور تھے۔ آخر آپ کی پلٹن کو پسپائی کا حکم دیا گیا آپ پسپا تو ہو گئے لیکن اس حالت میں بھی ہمت نہیں ہاری۔ آپ کی یونٹ کے جوان جو ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے۔ آپ نے ان سب کو جمع کیا۔ اور پھر ایک ایسے مقام پر ان سب کو لے آئے۔ جو خطرہ سے اور دشمن کی زد سے بالکل محفوظ تھا۔

اس طرف سے تو آپ اب مطمئن تھے لیکن اس اندیشہ سے وہ بے حد متفکر اور بے چین تھے۔ کہ خدا جانے دشمن ہمارے افسروں کی لاشوں سے یا جو زخمی پڑے ہیں۔ ان کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ آخر آپ نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھی۔ اور اس مقام پر جا پہنچے۔ جہاں ان کے افسر بیکسی کے عالم میں زخمی پڑے ہوئے تھے۔ اور ہر چند کہ دشمن نے آپ کو دیکھ بھی لیا۔ اور آپ پر گولیوں کا مینہ بھی برسایا۔ لیکن جس کو خدا رکھے۔ اسے کون مارے۔ آپ اس غضب کی آگ اور اس خونناک قتل گاہ سے ایک نہیں دو نہیں اپنے آٹھ افسروں کو صحیح سلامت لانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ دلیری اور جان بازی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس کے صلہ میں محکمہ جنگ اپنی طرف سے آپ کو وہی انعام دلا سکتا تھا۔ جو سب انعاموں سے بڑا اور قیمتی تھا یعنی وکٹوریہ کراس چنانچہ آپ اس انعام کے مستحق قرار دیئے گئے۔ اور اس تمغہ نے نہ صرف آپ کے ساتھیوں اور ہم چشموں میں آپ کا اعزاز بڑھایا۔ بلکہ آپ ہر جگہ عزت کی نظر سے دیکھے گئے۔ آپ نے آخر میں صوبیداری کا رینک بھی حاصل کر لیا۔

لیس نائک لالہ وی سی

آپ کا وطن ضلع کانگڑہ کے منضع پرول میں ہے۔ ڈوگرہ راجپوت جن نوجوانوں پر فخر کر سکتے ہیں۔ ان میں آپ کا نام نامی کسی سے کم نہیں ہے۔ ۱۲ ڈوگرہ رجمنٹ کو جس میں آپ بطور سپاہی بھرتی ہوئے تھے۔ ہمیشہ آپ پر فخر رہے گا ۱۷/۳ ڈوگرہ رجمنٹ اب اسی رجمنٹ کا نام ہے۔ آپ نے یورپ کی اول جنگ عظیم میں شامل ہوکر خوب نام پیدا کیا۔

آپ کی بے مثال بہادری دکھانے کے لئے قدرت نے ۱۳ مئی ۱۹۱۶ء کی تاریخ مقرر کر رکھی تھی۔ دشمن آگ کے گولے برسا رہا تھا۔ آپ اس آگ کے درمیان ہی اپنی زندگی اور موت سے بے خطر ہوکر ایسے گڑھے کھودتے رہے۔ جن میں اپنے زخمی ساتھیوں کو میدان جنگ سے لاکر پناہ دیتے رہے۔ تاکہ ان کی جانیں دشمن کے مزید حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ زخمیوں کے زخموں کو صاف کرکے اور اپنا کپڑا پھاڑ کر ان پر پٹیاں باندھتے رہے۔ اور ان کا دل بہلانے کے لئے ان سے دلجمعی اور تفریح طبع کی باتیں اور خوش گپیاں کرتے رہے۔

اسی دن آپ نے دیکھا۔ کہ ایک دوسری برطانوی رجمنٹ کا افسر دشمن کی عین زد میں آیا ہوا ہے۔ اور اس کا بچنا محال نظر آ رہا ہے۔ دشمن اور برطانوی افسر کے درمیان جو فاصلہ تھا۔ وہ چند گز سے زیادہ نہ تھا۔ یہانتک کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ افسر زخمی ہو گیا۔ آپ آگ کے شعلوں کی طرف دوڑے۔ اور زخمی افسر کو اٹھا ہی لائے۔ اسی اثنا میں آپ نے ایک اور برطانوی افسر کی درد بھری آواز سنی۔ جو زخموں سے کراہ رہا تھا۔ آپ دوڑے اور جب جا کر دیکھا تو وہ آپ ہی کی رجمنٹ

کے ایڈ جوٹنٹ صاحب تھے۔ جو زخمی ہو کر زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ اس ڈوگرہ نوجوان کی ہمت ایسی ہی مشکلوں میں اپنے جوہر دکھایا کرتی تھی۔ چونکہ ایڈجوٹنٹ صاحب بہت بری طرح زخمی تھے۔ چلنے سے بھی معذور تھے۔ اس لئے آپ نے ان سے کہا کہ میں پیٹ کے بل زمین پر لیٹ جاتا ہوں۔ آپ میری پیٹھ پر سوار ہو جائیں میں رینگتا ہوا آپ کو محفوظ مقام پر لے جاؤں گا۔ اس طرح دشمن کی نظروں سے بھی ہم بچے رہیں گے لیکن آپ کے افسر نے آپ کو یہ تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔ اس پر لالہ نے اپنے کپڑے اتار کر ان کے بدن پر ڈال دیئے۔ تاکہ ان کے زخموں پر مکھیاں نہ بیٹھیں۔ اور ان کے بدن میں حرارت بھی رہے۔ بلکہ شام تک آپ اپنے افسر کے پاس ہی بیٹھے اور ان کی حفاظت کرتے رہے۔

آخر جب ذرا زیادہ اندھیرا ہو گیا۔ تو آپ اپنے افسر کو اٹھا کر اپنی خندق میں لے آئے۔ پھر سٹریچر لینے گئے۔ اور ان کو سٹریچر پہ ڈال کر اپنے کمپوں میں لے گئے

اس جوانمرد سپاہی نے اپنی ایسی ہی خیر خواہیوں۔ وفاداریوں اور پھرتیوں سے دو برطانوی افسروں کے علاوہ چار ہندوستانی سپاہیوں کی جانیں بھی بچائیں اور اس غیر معمولی جرات کے صلہ میں آپ نے آخر وکٹوریہ کراس کا تمغہ حاصل کیا۔

اس وقت وہ معمولی رینک میں تھا۔ یعنی لیس نائک تھا لیکن اس تمغہ نے اس کی اپنی رجمنٹ اور ہندوستان کی دوسری رجمنٹوں میں اس کو قابل عزت جوان بنا دیا۔

یہ نوجوان جمعداری کے رینک پر پہنچکر ریٹائر ہو گیا۔ اور ۲۳ مارچ ۱۹۲۶ء کو اس جہان سے گذر گیا لیکن اس کی شاندار خدمات فوجی دنیا میں اس کا نام ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔

سپاہی چیتا سنگھ وی سی

یہ نوجوان سپاہی ضلع کانپور کے ایک گاؤں تال سندھ کا رہنے والا ہے۔ آپ ۹ بھوپال انفنٹری میں بھرتی ہوئے۔ اب اس کا نام ۱۶/۱ پنجاب رجمنٹ ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ نے سپاہیانہ منزل طے کر کے نائیک کا رینک حاصل کر لیا۔ گذشتہ جنگ عظیم یورپ میں دوسری ہندوستانی رجمنٹوں کی طرح آپ کی رجمنٹ بھی سمندر پار بھیجی گئی۔

۲۱- جون ۱۹۱۶ء کو آپ کی رجمنٹ اور دشمن کی فوج بالکل آمنے سامنے ہو گئے آپ نے ایک مقام پر ایک آڑسی بنا کر اس میں پناہ لی ہوئی تھی۔ وہاں سے آپ نے باہر نظر جو ڈالی۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ آپ کے کمانڈنگ افسر عین میدان جنگ میں زخمی پڑے ہوئے ہیں۔ وہ بالکل تن تنہا تھے۔ نہ ان کی کوئی خبر لینے والا تھا۔ اور نہ ان کے زخمی ہونے کی کسی کو خبر تھی۔ اور پھر حالات ایسے تھے۔ کہ ان کی مدد بھی بظاہر محال نظر آتی تھی۔ آپ ہر چند کہ پناہ گاہ میں مقیم تھے۔ لیکن اپنے افسر کو اس دردناک حالت میں دیکھکر بے تاب ہو گئے۔ اور پناہ گاہ سے دیوانہ وار باہر نکل کر اپنے زخمی افسر کے پاس جا پہنچے۔ پہلے ان کی مرہم پٹی کرتے رہے۔ پھر خندقیں کھودنے کے ہتھیار سے ان کے لئے بھی آپ نے ایک آڑ کی جگہ یعنی پناہ گاہ کھودی۔ اس دوران میں دشمن کے فائروں سے آگ کے شعلے خرمن ہستی کو راکھ کرنے کے لئے برابر بلند ہوتے رہے۔ مگر آپ کو اس برستی آگ میں بھی خدا نے ہر طرح محفوظ رکھا۔ یہ قریباً تین بجے بعد دوپہر کا وقت تھا۔ آپ اس وقت سے لے کر گہری شام تک برابر ان کے پاس ہی بیٹھے رہے۔ جب اچھی طرح اندھیرا ہو گیا یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ تو آپ نے صاحب بہادر سے اجازت لی کہ وہ اپنی

قیام گاہ سے چند اور جوانوں کو ہمراہ لائیں۔ اور آپ کو حفاظت اور سہولت کے ساتھ یہاں سے لے جائیں۔ چنانچہ آپ ان جوانوں کی مدد سے کمانڈنگ افسر صاحب کو یہاں سے اٹھا کر محفوظ مقام میں لے آئے۔

آپ کی یہ خدمت وجرات اور یہ وفاداری وہمدردی بھول جانے اور نظر انداز کر دینے کے قابل نہ تھی۔ چنانچہ آپ کے اعلیٰ حکام کی سفارش سے اس خدمت کے صلہ میں آپ کو وکٹوریہ کراس عطا کیا گیا۔

صوبیدار دروان سنگھ بینگی

یہ بہادر نوجوان صوبہ متحدہ (یو پی) کے پہاڑی ضلع گڑھوال کا رہنے والا ہے۔ زمینداری اور کھیتی باڑی کے علاوہ ابتدائے عمر میں اپنے باپ کا ریوڑ پہاڑوں کی وادیوں میں چرایا کرتا تھا۔ ان پہاڑوں میں چیتے اور ریچھ جیسے خوفناک درندے کثرت سے تھے۔ لیکن اس بہادر نے اپنے ساتھیوں سمیت اکثر مرتبہ چیتوں اور ریچھوں کے حملوں کو پسپا کیا ہے

۳۹ ویں گڑھوال رائفلز کی اول بٹالین میں یہ نوجوان سپاہی نائک کے عہدے پر تھا۔ کہ جرمن سے برطانیہ کی لڑائی کا اعلان ہو گیا۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں اس بٹالین کو بھی میدان یورپ میں شامل جنگ ہونے کے لئے جانا پڑا۔

اس لڑائی میں یوں تو اس نوجوان نے کئی کام اپنی بہادری کے دکھائے۔ لیکن جس غیر معمولی شجاعت نے اس کو وکٹوریہ کراس کا اعلیٰ ترین تمغہ دلایا۔ اور نہ صرف کمیشن افسری تک پہنچایا بلکہ تمام ملک میں مشہور کر دیا۔ اس کی مختصر سی کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

جس رجمنٹ میں یہ نوجوان شامل تھا۔ ۲۳۔۲۴ نومبر ۱۹۱۴ء کی درمیانی رات کو فرانس کے موضع فیسچوبرٹ کے نزدیک دشمنوں سے ان خندقوں کو واپس لینے کی تدابیر میں جن پر دشمن قبضہ کر چکا تھا مصروف تھی موقع تاڑ کر جرمنوں پر شبخون مارا گیا۔ دروان سنگھ نے بہادر گڑھیوالیو ل

کی رہنمائی کرتے ہوئے دشمن کی تباہ کن آتشباری کے باوجود اپنی ایک کمپنی کے ساتھ دشمن پر جو نزدیک ہی سے بموں اور بندوقوں کی شدید گولہ باری کر رہا تھا سخت حملہ کیا۔ اور خود یہ نوجوان ہر حملہ اور ہر خطرہ میں سب سے آگے رہتا تھا۔ اور اس پیش روی کی وجہ سے ہر چند کہ اس کا سر بھی زخمی ہو چکا تھا اور ایک بازو کو بھی زخم آچکا تھا۔ تاہم وہ بڑی بہادری اور جان بازی کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر ڈٹا رہا۔ یہاں تک کہ دشمن نے ہمت ہار کر دم توڑ دیا۔ جو بچ گئے وہ فرار ہو گئے۔ جب اس کی رجمنٹ نے خندق کے سب سے آخری حصہ پر قبضہ کیا۔ تو بھی یہ نوجوان زخمی ہونے کے باوجود سب سے آگے تھا۔ اس غیر معمولی شجاعت نے اس کے اعلیٰ فوجی حکام پر بڑا اثر کیا۔ اور ان کی سفارش سے دروان سنگھ کو وکٹوریہ کراس کا تمغہ ملا۔

ہندوستان کا سب سے پہلا دیسی جمعدار خداداد خاں تھا۔ اس کے بعد یہ تمغہ دروان سنگھ کو ملا۔ لیکن دروان سنگھ کو اس لئے خداداد خاں پر فوقیت ہے۔ کہ جب ماہ دسمبر ۱۹۱۴ء میں ملک معظم جارج پنجم نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا۔ تو اسی دوران میں یہ تمغہ بھی شہنشاہ معظم کی طرف سے اس کو عنایت کیا گیا۔ اس وقت جمعدار خداداد خاں بیمار ہونے کی وجہ سے فیلڈ ہسپتال میں داخل تھا۔ اور تندرست ہونے کے بعد اس کو تمغہ جنوری ۱۹۱۵ء میں ملا تھا۔

دروان سنگھ نایک سے حوالدار بنایا گیا۔ اگست ۱۹۱۵ء میں اسے جمعداری کا کمیشن ملا۔ اور ۱۹۱۸ء میں وہ صوبیدار ہو گیا۔

رائفلمین گوہر سنگھ نیگی

گوہر سنگھ پلٹن ۳۹ سیکنڈ گڑھوال رائفلز میں ایک بندوقچی تھا۔ اس کی پلٹن کو بھی محاذ فرانس پر جرمنوں کے مقابلہ کے لئے جانا پڑا۔
۱۰۔ مارچ ۱۹۱۵ء کا دن تھا۔ کہ نیوی چیپل کے مقام پر برطانوی اور جرمن فوجوں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ گوہر سنگھ دشمن کی گولہ باری کا جواب دینے میں حیرت انگیز پھرتی اور مستعدی کا اظہار کرتا رہا۔ وہ بڑھتے بڑھتے گولہ باری کے اس قدر نزدیک پہنچ گیا کہ دشمن جوں جوں پیچھے ہٹتا جاتا تھا۔ وہ ہر صف میں سب سے اول رہتا تھا۔ یہانتک کہ وہ جرمنوں کی سب سے بڑی خندق میں داخل ہو گیا۔ اور اس نے دشمن کو ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دیا۔

یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن اس کی اجل کا وقت چونکہ آ پہنچا تھا وہ اسی لڑائی میں عین معرکہ کے درمیان مارا گیا۔ اور اس طرح یہ بہادر سپاہی اپنی عزیز جان اپنے وطن سے بہت دور اپنے شہنشاہ کے لئے اور انصاف اور انسانیت کی خاطر قربان کر گیا۔ اور اپنے وطن (ضلع گڑھوال) اور اپنے ملک ہندوستان کا نام ہمیشہ کے لئے روشن کر گیا۔

---

[1] مصنف ہندوستانی شیر مرد نے اس کو گوبر سنگھ لکھا ہے۔ فوجی اخبار میں اس کا نام ایک جگہ گوبر سنگھ تھا۔ اور ایک جگہ گوہر سنگھ۔ میں نے گوہر سنگھ کے نام کو ترجیح دی ہے۔

سرکار نے اس کی موت کی وجہ سے اس کی جان بازی کو بھلا نہیں دیا۔ بلکہ اس کی فوتیدگی کے بعد اس کی سرفروشی کی پوری پوری قدر کی۔ ۱۲۔مارچ کو یعنی اس کے مرنے کے تیسرے ہی دن لبدوہ وکٹوریہ کراس کا مستحق قرار دیا گیا۔ جو الاؤنس سمیت اسی تاریخ سے اس کے جائز وارث کو مل رہا ہے۔

لیس دفعدار گوبند سنگھ وی سی

جمعدار شاہامد خان وی سی

رائفلمین کلبیر تھاپا وی سی

رسالدار بدلو سنگھ وی سی

جمعدار گوبند سنگھ راٹھور

ریاست جودھپور مارواڑ کے ضلع پرتاپ سر میں دموہی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ گوبند سنگھ جو امپیریئل سروس جودھپور میں لیس دفعدار تھا۔ اسی موضع کا رہنے والا تھا۔ اس بہادر نوجوان کو بھی اپنی فوج کے ہمراہ یورپ کی پہلی جنگ عظیم میں سمندر پار جانا پڑا۔

جنوری ۱۹۱۸ء میں دوران جنگ میں رجمنٹ اور برگیڈ ہیڈ کوارٹر کے مابین ہر چند صرف ڈیڑھ میل کا فاصلہ تھا۔ لیکن یہ تھوڑا سا فاصلہ ایسا پُر خطر اور ہولناک تھا۔ کہ اس کے اندر قدم رکھنا موت کے منہ میں جانے کے برابر تھا۔ اور پھر فاصلہ کی زمین اس قسم کی تھی۔ جس پر دشمن کی نظر نہایت آسانی اور صفائی سے پڑ سکتی تھی۔ اور نہ صرف نظر ہی۔ بلکہ دشمن کی شدید گولہ باری کا فیر اس فاصلہ میں قدم رکھنے والوں کے لئے موت کا پیغام ہوتا تھا۔

رجمنٹ اور ہیڈ کوارٹر کے مابین پیغامات لانے اور لے جانے کا جان جوکھوں کا کام تھا۔ یہ ڈیوٹی گوبند سنگھ راٹھور کے سپرد کی گئی۔ اور اس نے جان ہتھیلی پر رکھکر دشمن کے سخت فیروں اور جنگ کے سخت خطروں کے باوجود اس ڈیوٹی کے لئے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔

رجمنٹ اور ہیڈ کوارٹر کے درمیان آگ کے جلتے ہوئے شعلوں میں اس نے اِدھر سے اُدھر تین چکر لگائے۔ اور پیغامات لاتا اور لے جاتا رہا۔ حالانکہ ہر مرتبہ اس کا گھوڑا دشمن کی گولی سے ہلاک ہو جاتا رہا۔

لیکن وہ اپنے گھوڑے کے ہلاک ہو جانے کے بعد پیدل ہی پیامبری کی خدمات انجام دیتا رہا۔

اس خوفناک فرض کی ادائیگی اور اس نمایاں بہادری کے صلہ میں اس کو نہ صرف دفعداری کا رینک دیا گیا۔ بلکہ وکٹوریہ کراس کا تمغہ بھی اس کو ملا۔

۷ فروری ۱۹۱۸ئہ کا دن اس کے لئے بڑا مبارک دن تھا۔ جب شہنشاہ معظم نے محل بکنگھم (لندن) میں اپنے ہاتھ سے وکٹوریہ کراس کا تمغہ اس کو عطا کیا۔ اور کلاہ گوشۂ دہقان کو آسمان تک پہنچا دیا۔ اس تقریب پر مہاراجہ سر پرتاپ سنگھ والیٔ ایدر۔ راجہ صاحب رتلام اور کئی اور راٹھور سردار بھی موجود تھے۔ شہنشاہ معظم نے فرمایا "آج وکٹوریہ کراس ہندوستانی فوج کے ایک اعلیٰ بہادر نمائندہ کو عطا کرنے میں مابدولت کو ازحد خوشی حاصل ہوئی ہے" اس کے بعد شہنشاہ معظم نے بڑے تپاک سے جمعدار گوبند سنگھ سے ہاتھ ملایا۔

ولایت میں جس قدر راٹھور سردار اور فوجی سپاہی تھے۔ ان سب کی طرف سے اسی دن ۱۲ کرام ویل روڈ پر جمعدار گوبند سنگھ اور اس کے رسالہ کو دعوت دی گئی اور بہت سے تحفے بھی پیش کئے گئے۔

رانی صاحبہ کوچ بہار نے کلائی پر باندھنے والی ایک سنہری گھڑی عطا کی نیشنل انڈین ایسوسی ایشن کے ممبروں نے بہادر راٹھور کا استقبال کیا۔ اور ایک ایڈریس نقرئی طشتری سمیت پیش کیا —

سر اومور کریے سابق کمانڈر انچیف ہند نے جو اس موقعہ پر موجود تھے فرمایا۔ امپیریل سروس میں گوبند سنگھ سب سے پہلا شخص ہے جس نے

وکٹوریہ کراس کا اعزاز حاصل کیا ہے۔

مہاراجہ سر پرتاپ سنگھ نے کہا۔ مجھے اور دوسرے راٹھور راجپوتوں کو اس بات کا فخر ہے۔ کہ ان کی قوم کے ایک اور بہادر نے یہ جلیل القدر اعزاز حاصل کیا ہے ریاست جودھپور نے بھی اس بہادر نوجوان کی پوری قدر دانی کی۔ اور چار گاؤں اس بہادری کے صلہ میں بطور جاگیر اس کو عطا کئے۔

جمعدار شہامد خان وی سی

شہامت خان موضع تحتی ضلع راولپنڈی کا رہنے والا ہے۔ ۹۸ پنجابی میں یہ نائک اور مشین گن سیکشن کا انچارج تھا۔ اس جنجوعہ راجپوت نوجوان نے میدان جنگ میں وہ شاندار دلیری اور ایثار نفسی دکھائی جس نے اس کو نہ صرف اعلےٰ ترین جنگی تمغہ وکٹوریہ کراس ہی دلایا۔ بلکہ عہدہ میں بھی ترقی کر کے کمیشن افسری تک پہنچا دیا۔

اس کی یہ کلدار توپ ایسی کھلی جگہ پر تھی۔ جو حدود دشمن سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ کے اندر تھی۔ اور ایک شگاف کو پر کرنے کے لئے رکھی گئی تھی۔ اس نے دشمن کے تین سخت حملے روکنے میں اپنی کمال جوانمردی کا ثبوت دیا۔ اور ہر چند کہ ایک آدمی (بیلٹ فلرز) کے سوا اس کے تمام آدمی دشمن کے ہاتھوں ضائع ہو گئے تھے۔ تاہم اس شدید اور ہولناک بلکہ جان لیوا گولہ باری میں بھی اس نے شگاف کو محفوظ رکھا۔ بلکہ آدمیوں کی کمی کی وجہ سے وہ توپ کو بھی ایک ہی ہاتھ سے چلاتا رہا۔

جب اس کی توپ دشمن کی گولہ باری کی تاب نہ لا سکی۔ تو ان دھواں دھار حملوں کے درمیان تین آدمی اس کی مدد کو بھیجے گئے۔ جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر موت و زندگی کی منزلوں کو طے کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے۔ یہ آدمی اس غرض سے شہامد خان کے پاس بھیجے گئے تھے۔ کہ چونکہ وہ تنہا ہے۔ اور دشمن کے مقابلہ کے ناقابل ہے۔ اس لئے یہ آدمی اس کو واپس لے آئیں۔

بہادر شہامد خاں واپس آیا۔ لیکن اس نے دشمن کو لائن میں داخل نہیں ہونے دیا۔ اس نے کمال یہ کیا کہ واپسی کے وقت توپ کو بھی ساتھ لے آیا۔ اور ایک مجروح اور شدید زخمی سپاہی کو بھی۔ جو چلنے کے ناقابل تھا اس نمایاں استقلال۔ ثابت قدمی اور بہادری کے تھوڑا عرصہ بعد ہی نائک شہامت خان وکٹوریہ کراس اور جمعداری کے عہدہ و اعزاز کا مستحق قرار دیا گیا۔

اس زمانے کے لفٹنٹ گورنر پنجاب سرمیکایل اوڈوائر نے جب ۳۰۔اکتوبر ۱۹۱۶ء کو راولپنڈی میں جنگی دربار منعقد کیا۔ تو جمعدار شہامد خاں جنجوعہ کے ان اعلےٰ کارناموں سے بھی لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔ جن کے صلہ میں ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء کو وہ وی سی بنایا گیا تھا۔

آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا "نائک شہامد خاں جنجوعہ راجپوت ساکن موضع تختی اُن آٹھ بہادر نوجوانوں میں ہے۔ جنہوں نے سب سے پہلے وہ اعلےٰ ترین عزت حاصل کی۔ جس کی ہر ایک فوجی سپاہی کو خواہش ہوتی ہے۔ یعنی اس کو وکٹوریہ کراس کا تمغہ عطا ہوا۔

دشمن کی خندقوں سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پہ ایک مشین گن اس کے حوالے کی گئی۔ جس سے اس نے تین مرتبہ دشمن کے حملوں کو تتر بتر کر دیا۔ گولہ بارود دینے والے سپاہی کے سوا اس کے تمام ہمراہی مارے گئے۔ مگر وہ بہادر تنہا جما رہا۔ اور توپ چلاتا رہا۔ جب تین گھنٹہ کی مسلسل گولہ باری کے بعد دشمن نے ان کی توپ کو بیکار کر دیا۔ تو یہ ولاد بندوقیں لے کر کھڑے ہو گئے اور جب تک ان کو واپس آنیکا حکم نہ ملا۔ وہ برابر اپنی ڈیوٹی پر کھڑے رہے اور جب واپس آنیکا حکم ملا تو نہ صرف اپنے ایک زخمی ساتھی کو جو چلنے سے بھی معذور تھا اپنے ہمراہ لے آیا بلکہ اپنی توپ

اور اپنا گولہ بارود بھی اٹھا لایا۔ اس کے بعد پھر اسے اسی محاذ پر اس غرض سے بھیجا گیا۔ کہ وہ اپنے (مُردہ) آدمیوں کے ہتھیار اور ساز و سامان بھی لے آئے۔ چنانچہ اس کام کو بھی اس نے نہایت کامیابی سے انجام دیا۔ اگر شہامد خاں اس دلاوری اور جرات سے کام نہ لیتا۔ تو دشمن ضرور ہماری صفوں میں گھس آتا۔

رائفلمین کلبیر تھاپا وی سی

یہ بہادر نوجوان گورکھا ۲/۳ گورکھا رائفلز کا بندوقچی ہے ۔ اس کا وطن ریاست نیپال کے ایک موضع بگل پانی میں ہے ۔ اس نے موضع مسکرٹ کی جرمن خندقوں کی خونریز معرکہ آرائیوں میں نمایاں بہادری دکھائی ۔ اور اس جرأت ، وجوانمردی کے صلہ میں وکٹوریہ کراس کا اعلےٰ تمغہ اس نے حاصل کیا ۔

۲۵ ستمبر ۱۹۱۵ء کی تاریخ تھی ۔ کہ اس کو جرمن خندقوں کی صف اول کے پیچھے لیس سٹر رجمنٹ ۲ کے ایک برطانوی زخمی سپاہی کے کراہنے اور چلانے کی خبر ملی ۔ کلبیر تھاپا خود بھی زخمی تھا لیکن زخمی ہونے کے باوجود وہ اس زخمی سپاہی کے پاس پہنچا ۔ اور تمام دن اور ساری رات اس کی خبر گیری کرتا رہا ۔

۲۶ ستمبر کی صبح کو جبکہ کہر پڑ رہی تھی ۔ اور سردی کا عالم تھا ۔ وہ اس زخمی سپاہی کو جرمن حدود سے باہر لانے میں کامیاب ہو گیا ۔ اور اسے ایسی محفوظ جگہ میں رکھا ۔ جہاں دشمن کی رسائی بہت مشکل تھی ۔ اس کامیابی نے اس کو اور دلیر کر دیا ۔ اور اس نے یہ سوچ کر کہ ابھی کچھ اندھیرا بھی ہے ۔ اور دشمن بھی بے خبر ہے ۔ میں کسی اور زخمی سپاہی کو بھی دشمن کی زد سے بچا کر لا سکتا ہوں ۔ چنانچہ وہ نڈر اور دلیر سپاہی پھر دشمن کی حدود میں جا پہنچا ۔ اور یکے بعد دیگرے دو گورکھا سپاہیوں کو صحیح سلامت جرمن حدود سے باہر لے آیا

جب وان کل آیا۔ تو وہ زخمی سپاہی کو کاندھے پر اٹھاکر اپنے خیمہ میں لے آیا۔ اور دوسرے دو زخمی سپاہی بھی اسی طرح اس نے بچا لیے۔ حالانکہ اس وقت دشمن پھر اپنی آتشباری شروع کر چکا تھا۔

یہ خدمت کوئی معمولی خدمت نہ تھی۔ کہ فراموش کر دی جاتی۔ چنانچہ اس خدمت و جرأت مردانہ کے صلہ میں ۱۰ نومبر ۱۹۱۵ء کو کلیم تھاپا جو ایک معمولی رائفل مین یعنی بندوقچی تھا۔ وی سی بنا دیا گیا۔

رائفلمین کرن بہادر اناوی سی

گورکھا رائفلز کا یہ وہ نوجوان ہے جس نے سخت مشکل اور سخت خطرہ میں بھی اپنی جان کی پرواہ نہ کی۔ اور ایسی بہادری کا ثبوت دیا کہ جس پر ہندوستانی فوجیں بجا طور پر فخر کر سکتی ہیں۔

سب سے پہلے جون ۱۹۴۵ء کے لنڈن گزٹ (سرکاری اخبار) نے کرن بہادر کو وکٹوریہ کراس کا تمغہ ملنے کی خوش خبری سنائی۔ اس بہادری کے صلہ میں جس کی کچھ مختصر سی کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

دشمن کی ایک مشین گن نے ہمارے افسروں اور جوانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ یہ حالت دیکھکر کرن بہادر برستی ہوئی آگ میں جان کو ہتھیلی پر رکھکر چند ساتھیوں اور ایک لیوئس گن (توپ) کو لے کر رینگتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا۔ جہاں سے دشمن کی اس مشین گن کا باسانی مقابلہ ہو سکتا تھا۔ جو ہمارے نوجوانوں کو نقصان پہنچا رہی تھی۔ دشمن اتنے زد میں تھا۔ کہ ہمارا ایک جوان جاتے ہی دشمن کا نشانہ ہو گیا۔ کرن بہادر نام کا بہادر نہ تھا۔ بلکہ وہ واقعی بہادر تھا۔ اس نے اپنے مردہ سپاہی کو پرے ہٹا کر لیوئس گن سے خود فائر کرنا شروع کر دیا۔ اور ہر چند کہ دشمن پے در پے اور شدت سے بم پھینکتا رہا۔ مگر یہ بہادر دشمن کے حملوں سے مطلق ہراساں نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی مسلسل گولہ باری سے دشمن کی مشین گن چلانے والے کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔

اس سے فارغ ہو کر اس بہادر نوجوان نے دشمن کے بم بازوں اور

جوانوں پر جو اس کی زد کے سامنے تھے۔ فیر شروع کئے۔ اور دشمن کے کئی آدمیوں کا اس نے صفایا کر دیا۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ مشین گن متواتر اور مستعدی سے چلائے جانے کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے رُک۔ بھی گئی مگر یہ بہادر شخص مشین کو درست بھی کرتا رہا اور چلاتا بھی رہا۔

شام کو جب اسے واپس آنے کا حکم ملا۔ تو پھر بھی ایک آڑے کر دہ دشمن پر برابر فائر کرتا رہا۔ اور اس وقت تک برابر یہ فرض انجام دیتا رہا۔ جب تک دشمن اس کے بالکل نزدیک نہ آگیا۔ اور آخر وہ دشمنوں کو ہلاک کرتا اور اپنی جان بچاتا ہوا اپنے کیمپ میں آ پہنچا۔ اس کی یہ دلیری اور فرض کی یہ ادائیگی آخرکار اس کو وکٹوریہ کراس دلانے کا ایک قوی وسیلہ بنی۔

رسالدار بدلو سنگھ وی سی

ضلع رہتک کو اپنے جن فوجی اور جنگی سپرٹ رکھنے والے فرزندوں پر ناز ہے۔ ان میں رسالدار بدلو سنگھ کا نام بھی چوٹی پر لکھے جانے کے قابل ہے۔ یہ خوبصورت نوجوان جاٹ جس کے رگ و ریشہ سے جنگی قابلیت اور وفادارانہ جوش و خروش کا اظہار ہوتا تھا۔ اسی ضلع کے موضع ڈھکلا کا رہنے والا تھا۔

وہ فوج میں عام سپاہیوں کی طرح بھرتی ہوا۔ اور اپنی وفادارانہ خدمات اور اپنی نمایاں کارکردگیوں اور اعلےٰ حکام کی اطاعت شعاریوں اور اپنی اعلےٰ قابلیتوں سے رسالداری کے عہدہ تک پہنچا۔

۱۹۱۴ئہ کی جنگ عظیم یورپ میں وہ ۱۴ مرے جاٹ لانسرز اٹیچڈ (ملحقہ) ۲۹ لانسرز میں رسالدار تھا۔ اس کو بھی دیگر ہندوستانی بہادران فوج کی طرح ہندوستان سے باہر جانا پڑا۔ عین لڑائی کے دوران میں اس کا سکواڈرن ۲۳ ستمبر ۱۹۱۸ئہ کو دریائے گارڈن کے مغربی کنارے اور موضع ادخص السمرنا کے درمیان ایسی جگہ تھا۔ جہاں دشمن کی پوزیشن بڑی زبردست تھی۔ جب رسالدار بدلو سنگھ دشمن کی اس پوزیشن کے نزدیک پہنچا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ فرنٹ کی بائیں جانب جو ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ اور جہاں سے دشمن کی توپیں ہمارے سکواڈرن پر دھواں دھار گولے برسا رہی ہیں۔ بلکہ ہمارے کئی جوانوں کو خاک و خون میں لت پت کر چکی ہیں۔ تو اس بہادر جاٹ نے کچھ سوچنے اور تامل

کرنے کے بغیر چھ رنگیں اور جمع کئے۔ اور جان کو ہتھیلی پہ رکھکر اور دشمن کے خوف، اور اپنی جان سے بالکل بے خطر ہو کر دشمن پر اس زور سے حملہ کیا۔ کہ دشمن کی زبردست پوزیشن کی بنیاد متزلزل ہو گئی۔ اور آخر دشمن کو وہ جگہ چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اب وہی مضبوط اور زبردست پوزیشن جس پر دشمن کو بڑا ناز تھا۔ رسالدار بدلو سنگھ کے قبضہ میں تھی۔

اس کی اس بہادری نے اس کے سکواڈرن کے جوانوں کو مزید تباہی اور دشمن کے نشانہ کا مزید شکار ہونے سے بچا لیا۔ اور پھر اس نے اس دلیری اور جوانمردی سے کام لیا۔ کہ تن تنہا پہاڑی پر چڑھکر دشمن کی مشین گن پر قبضہ کرنے کے لئے جا پہنچا۔ وہ زخموں سے چور چور تھا۔ لیکن ہمت نہیں ہارتا تھا۔ آخر ان کاری زخموں کی وجہ سے یہ نوجوان سرکار برطانیہ پر اپنی جان قربان کر کے اس شعر کا مصداق ہو گیا۔

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشت من
آں منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

یعنی میں وہ نہیں ہوں۔ کہ تو لڑائی میں مجھے بھاگتے ہوئے دیکھے گا۔ بلکہ میں وہ شخص ہوں۔ کہ تو خاک و خون میں مجھے لتھڑا ہوا پائے گا۔

بدلو سنگھ میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔ کہ اس نے موت سے پہلے ہی یہ خبر سن لی۔ کہ دشمن کے تمام مشین گن والوں اور اس توپ خانہ کے تمام سپاہیوں نے اس کے سکواڈرن کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اس نمایاں بہادری اور جان نثاری کے صلہ میں اس کو وکٹوریہ کراس عطا کیا گیا اور ہر چند کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ لیکن اس کے وارث اس تمغہ کے حقوق سے برابر مفاد اٹھا رہے ہیں۔

موجودہ جنگ عظیم کے ہندوستانی وی سی

موجودہ جنگ یورپ میں جو یورپ کی حدود سے نکل کر اب ایشیا اور افریقہ کی حدود تک پھیل چکی ہے۔ اس وقت تک جن ہندوستانی جوانمردوں نے وکٹوریہ کراس کا فوجی اعزاز حاصل کیا ہے۔ ان کی تعداد دو سے زیادہ نہیں ہے۔ ان میں سے پہلے لفٹنٹ پی ایس بھگت نے جو آج کپتان پی ایس بھگت ہیں۔ یہ اعزاز حاصل کیا۔ دوسرا اعزاز اس تمغہ کا صوبیدار رچھپال رام کے نام پر ان کی بیوہ کو ملا۔ اس وقت تک وکٹوریہ کراس کا تمغہ پانے والے تو دو ہی خالص ہندوستانی جوان تھے۔ لیکن ان کے علاوہ ایک برٹش افسر نے بھی جن کا نام لفٹنٹ کرنل اے ای کمنگ (Cumming) ہے۔ یہ اعزاز اسی لڑائی میں ملایا کے محاذ کی جنگ میں حاصل کیا ہے۔ ان کا تعلق بھی چونکہ انڈین آرمی ہی سے ہے۔ اور ہندوستانی فوج ہی ان کے ماتحت تھی۔ اس لئے اس جنگ میں جس کو آج قریباً اڑھائی سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ دوسرے دو وکٹوریہ کراس حاصل کرنے والوں کے ساتھ ان کے بھی وہ حالات درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوگا۔ کہ ایک سپاہی کو میدان جنگ میں دشمن کے ہاتھوں کن کن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر ان مشکلوں اور تکلیفوں میں زخموں سے نڈھال ہونے کے باوجود کس طرح حوصلہ قائم رکھکر کامیابی اور جانبازی حاصل کی جاتی ہے۔

کپتان پی ایس بھگت وی سی

جنگ ۱۹۳۹ء کا پہلا وی سی

۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی جنگ میں سب سے پہلا وکٹوریہ کراس حاصل کرنے والا نوجوان خداداد خان تھا۔ موجودہ جنگ یورپ میں جو ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء سے شروع ہوئی۔ جس ہندوستانی نوجوان نے اپنی غیر معمولی بہادری کے صلہ میں وکٹوریہ کراس کا تمغہ حاصل کیا ہے۔ اس کا نام پریم اندر سنگھ بھگت ہے جس کی عمر تمغہ حاصل کرنے کے وقت ۲۳ سال سے زیادہ نہ تھی۔

آپ ۱۹۱۸ء میں بمقام گورکھپور پیدا ہوئے۔ آپ نے ڈیرہ دون میں فوجی تعلیم حاصل کر کے آخر اگست ۱۹۳۹ء میں کمیشن حاصل کیا۔ ٹریننگ کے بعد مئی ۱۹۴۰ء میں آپ موجودہ جنگ میں شامل ہوئے۔ آپ رائل بمبئی سیپرس و مائنرس میں سیکنڈ لفٹننٹ کے رینک پر تھے۔ جب میٹما کی اٹالین سرحدی چوکیاں ہم نے فتح کر لیں۔ تو آپ کو اپنے سیکشن کو جو آپ کی کمان میں تھا۔ موبائیل فوجوں کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم ملا۔ تاکہ ان دشمنوں کا پیچھا کیا جائے۔ جو گوندر کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ آپ اپنے آدمیوں کو لے کر آگے تو بڑھ گئے۔ لیکن وہاں بڑی مشکلوں کا سامنا پیش آیا۔ کیونکہ اٹالین فوجوں نے سڑک پر جا بجا نہ صرف یہ کہ سرنگیں بچھا رکھی تھیں۔ بلکہ سڑک کو خراب کر کے کئی طرح کی اور رکاوٹیں بھی پیدا کر رکھی تھیں۔

کیپٹن پی ایس بھگت دی سی

صوبیدار چھپال رام وی سی

لفٹنٹ کرنل اے ای کمنگ وی سی

سپاہی الیشر سنگھ وی سی

لفٹنٹ بھگت کو یہ بھی حکم تھا۔ کہ کام نہایت پھرتی سے کیا جائے تاکہ دشمن موقعہ پاکر دوبارہ ایسی پوزیشن اختیار نہ کرلے۔ جو تمہارے لئے خطرہ کا باعث ہو سکے۔ اس سڑک کا پچپن میل لمبا ٹکڑہ تھا۔ جس میں دشمن نے بڑی بڑی بھی سرنگیں بچھا رکھی تھیں۔ ان سرنگوں کو صاف کرنا۔ اور سڑک کو استعمال کے قابل بنانا آسان کام نہ تھا خصوصاً اس حالت میں جبکہ دشمن گولیاں بھی چلا رہا ہو۔ اس کام میں لفٹنٹ بھگت کے کئی آدمی ضائع بھی ہو گئے۔ بہت سے زخمی بھی ہوئے۔ لیکن آپ نے اپنی ڈیوٹی کی ادائیگی میں ایک سیکنڈ بھی آرام نہ کیا۔ بلکہ پورے اڑتالیس گھنٹے اس ستعدی سے اپنے کام میں مصروف رہے۔ کہ آخر آپ کے کمانڈر نے آپ سے کہا۔ اس سخت اور لگاتار محنت کے بعد یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ کام کسی دوسرے افسر کے سپرد کرکے کچھ آرام کرلیں۔ تاکہ تھکان دور ہو سکے۔ آپ نے اپنے کمان افسر کو جو جواب دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس چھوٹی سی عمر میں ہی آپ کو خدا نے ذہن رسا عطا کر رکھا ہے اور جنگی روح آپ کی رگ رگ میں اس طرح سرایت کر چکی ہے۔ کہ آپ پیدائشی سپاہی معلوم ہوتے ہیں۔

آپ نے عرض کیا۔ مجھے اس قدر محنت کے بعد کامیابی سامنے نظر آرہی ہے اور آپ آرام فرماتے ہیں۔ ڈیوٹی کی تکلیفوں اور مشکلوں پر ہزار آرام بھی ہو۔ تو قربان کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں تو جو کام کر رہا اور کرا رہا ہوں۔ اس سے ذرا ذرا واقف ہوں۔ میری جگہ جو نیا آدمی آئے گا۔ ناواقفیت کی وجہ سے اس کا بہت سا وقت ضائع ہو گا۔ اور اندیشہ ہے۔ کہ اس عرصہ میں دشمن اپنی پوزیشن اور زیادہ مضبوط نہ کرلے۔ اس لئے مناسب یہی ہے۔ کہ یہ کام میرے

ہی ہاتھ سے اور میری ہی موجودگی میں ختم ہو۔

اس جواب پر آپ کے افسر کو کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ اور آخر آپ نے دو دن اور دو رات کی لگاتار اور مسلسل کوشش کے بعد پچپن میل لمبی سڑک کے ٹکڑے کو نئے سرے سے درست کر دیا۔ اس لگاتار اور ان تھک محنت کی وجہ سے آپ بے ہوش بھی ہو جاتے رہے۔ اور دونوں کانوں کے پردوں کو بھی نقصان پہنچا۔

آپ کے کمانڈنگ افسر نے آپ کی اس ان تھک محنت کے متعلق جو ریمارک دیئے ہیں۔ وہ بھی قدر کے قابل ہیں۔ آپ نے کہا استقلال اور جوانمردی کے جتنے کارنامے آج تک میری نظر سے گذرے ہیں۔ اور دو دن دو رات اور مزید اڑتالیس گھنٹوں کی لگاتار محنت جو میں نے دیکھی ہے۔ اس کی مثال لفٹننٹ بھگت کے مقابلہ میں مجھے کہیں نہیں مل سکتی۔

اسی خدمت محنت اور جرأت کے صلہ میں آپ وکٹوریہ کراس کے مستحق قرار پائے۔ وکٹوریہ کراس کا تمغہ ہمیشہ ملک معظم اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنے شاہی محل (لنڈن) میں عطا فرمایا کرتے ہیں۔ لیکن یہ پہلا موقع ہے۔ کہ آپ کو یہ بیش قیمت تمغہ عطا کرنے کے لئے حضور وائسرائے لارڈ لنلتھگو کو دہلی میں دربار منعقد کرنا پڑا۔ جس میں سپہ سالار افواج کے علاوہ قریباً ایک ہزار فوجی اور سول اعلےٰ عہدہ دار شامل تھے۔ یہ دربار ۱۰۔ نومبر ۱۹۴۱ء کو ہوا اور حضور وائسرائے نے اپنے ہاتھ سے آپ کو عطا کیا۔ آجکل آپ کپتان صاحب ہیں۔

صوبیدار چھپال رام وی سی

(جنگ ۱۹۳۹ء کا دوسرا وی سی)

یہ نامور جوانمرد جاٹ قوم کا ایک روشن ستارہ تھا۔ ریاست پٹیالہ کی تحصیل نارنول میں بردہ نام ایک گاؤں ہے۔ یہ وہیں کا رہنے والا تھا۔

اس وقت تک صرف دو ہی ہندوستانی ریاستیں ہیں۔ جن کے فوجی جوانوں کو وکٹوریہ کراس کا گراں قدر تمغہ مل سکا ہے۔ گذشتہ جنگ یورپ ۱۹۱۴ء و ۱۹۱۸ء میں ریاست جودھپور کے ایک نامور سپوت جمعدار گوبند سنگھ راٹھور نے یہ اعزاز حاصل کیا تھا۔ اور اس جنگ میں جو ۱۹۳۹ء سے جاری ہے۔ ریاست پٹیالہ کا صوبیدار رچھپال رام ہے۔ جو ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ اور عمر اکیس سال ۲۶۔ اگست ۱۹۲۰ء کو یعنی جنگ اول یورپ کے تھوڑے عرصہ بعد ہی فوج میں بھرتی ہو گیا۔ یکم مئی ۱۹۳۶ء کو آپ نے وائسرائے کمیشن حاصل کیا۔

جب آپ اپنے وطن سے باہر سمندر پار لڑائی میں بھیجے گئے۔ تو آپ ۶ راجپوتانہ رائفلز میں صوبیداری کے اعلےٰ عہدہ پر تھے ۷۔ فروری سے لے کر ۱۲ فروری ۱۹۴۱ء تک آپ برابر جنگ میں مصروف رہے۔ بڈاپسٹ کی لڑائی جس میں آپ شامل تھے۔ زندگی کی رخصت اور موت کی آمد کا کھلا کھلا پیغام تھی۔ لیکن آپ نے اسی جنگ میں اپنی بے مثال بہادری اور ہمت کے جوہر دکھائے۔ اس لڑائی میں دشمن پر سب سے پہلا حملہ جب ۷ فروری کو کیا گیا۔

تو آپ سب سے اگلی کمپنی کے نائب کمان افسر تھے۔ آپ نے اپنی پلٹن کے ساتھ دشمن کی صفِ اول پر اس بے جگری اور بے خوفی سے حملہ کیا۔ کہ اس کا حوصلہ پست ہو رہا تھا۔ مگر دفعتہً آپ کا کمپنی کمانڈر زخمی ہو گیا۔ آپ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اور ایک منٹ ضائع کئے بغیر کمپنی کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور دشمن کے جس مقام پر قبضہ کرنا درکار تھا۔ اس پر فوراً حملہ کر دیا۔

آپ کی غیر معمولی دلیری اور جرأت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ دشمن کی تعداد ان کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ اور وہ آگ پر آگ برسا رہا اور فائر پر فائر کر رہا تھا۔ لیکن آپ کے ہمراہ صرف تیس جوان تھے۔ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے سنگینوں کی نوکوں سے کام لے کر دشمن کو ناکام بنا کر اس کی پوزیشن پر قبضہ حاصل کر لیا۔ رات کے بارہ بجے سے لے کر صبح کے ساڑھے چار بجے تک دشمن نے صوبیدار چھپال رام کے گنتی کے چند آدمیوں پر چھ دفعہ حملہ کیا۔ لیکن یہ آہنی بدن سپاہی اس کے ہر حملہ کو اپنے فولادی پنجوں سے ناکام و نامراد بناتے رہے۔

اس مٹھی بھر جماعت کے لئے یہ وقت ایسا نازک تھا کہ وہ چاروں طرف سے دشمن کے گھیرے میں آئے ہوئے تھے۔ اور باہر سے ان کو کسی قسم کی کوئی مدد نہ مل سکتی تھی۔ گویا ان کی حالت ایسی تھی۔ جیسے قلعہ میں کوئی فوج محصور ہو گئی ہو۔ لیکن ان کی ہمت و جرات نے ان کے اوسان خطا نہ ہونے دیئے۔ اور وہ موت کے خوف اور زندگی کی خواہش سے بے پرواہ ہو کر لڑتے رہے۔ اور آخر کامیاب ہو گئے۔

۱۲۔فروری کو دشمن نے آپ کی مختصر جماعت پر پھر زبردست گولہ باری شروع کی۔ دشمن کی اس زبردست گولہ باری کے باوجود آپ کے دل

میں ۱۲ فروری کو بھی وہی جوش و خروش تھا۔ جو ۷ فروری کو تھا۔ اس لئے آپ اور آپ کی جماعت نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اسی دوران میں دشمن کا ایک بم آپ کے دائیں پاؤں پر پھٹ گیا۔ جس کے صدمہ سے یوں تو آپ کو اور بھی کئی زخم آئے۔ لیکن دایاں پاؤں تو بالکل ہی اڑ گیا۔ زخم اتنے آئے تھے۔ کہ آپ کی زندگی محال نظر آ رہی تھی۔ لڑائی ہو رہی تھی۔ کہ آپ میدان جنگ ہی میں اپنے بادشاہ اور اپنے وطن پر جان نثار کر گئے۔

یہ بہادر نوجوان جس نے اپنی عمر کی ابھی بیالیس بہاریں دیکھی تھیں۔ اپنے دلیرانہ کارناموں کی بدولت آخر وکٹوریہ کراس کے تمغہ کا مستحق سمجھا گیا۔ اور جس دن ۱۰ نومبر ۱۹۴۱ء کو حضور وائسرائے نے دہلی میں لفٹننٹ بھگت کو وکٹوریہ کراس کا تمغہ عطا کیا۔ اسی دن صوبیدار رچھپال رام کی بیوہ جانکی دیوی کو وکٹوریہ کراس کا تمغہ دیا گیا۔ جو اپنی زندگی تک اس تمغہ کے تمام حقوق اور تمام رعایتوں کی مالک ہوگی۔

چونکہ یہ نوجوان ریاست پٹیالہ کا رہنے والا تھا۔ اس لئے ہز ہائینس مہاراجہ پٹیالہ نے بھی اس کی بیوہ کا خاص جنگی وظیفہ مقرر کیا۔ اور اپنی رعایا کے ایک بہادر نوجوان کے اس کارنامہ پر جس نے اس کو وکٹوریہ کراس کا تمغہ دلایا۔ اپنے فخر اور اپنی ریاست کے فخر کا اظہار کیا۔ اور فرمایا۔ ہر چند ریاست پٹیالہ کو اپنی شاندار جنگی روایات پر پہلے بھی بہت فخر اور ناز ہے لیکن صوبیدار رچھپال رام کی بے نظیر مردانگی نے ہماری ریاست کی روایات کو اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔

لفٹنٹ کرنل اے ای کمنگ ایم سی وی سی

(انڈین آرمی کا ایک برطانوی افسر)

(موجودہ جنگ میں تیسرا وکٹوریہ کراس پانے والا)

آپ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں جبکہ آپ کی عمر ابھی صرف بیس سال کی تھی۔ فوج میں بھرتی ہوئے۔ اور چونکہ فطرتاً سپاہی تھے۔ اس لئے ابتدا ہی میں آپ کی بہادری کی دھاک بیٹھ گئی۔ جنگ یورپ (۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء) میں آپ پہلی مرتبہ شامل ہوئے۔ ایک سال تک عراق عرب میں رہے۔ پھر فلسطین میں معری فوجوں کے ہمراہ خدمات انجام دیتے رہے۔ اور ابھی آپ کی عمر ۲۲ سال ہی کی تھی۔ کہ آپ نے ایم سی کا تمغہ بھی حاصل کر لیا۔

۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک آپ وزیرستان میں رہے۔ اور ۱۹۳۶ء و ۱۹۳۷ء میں شمال مغربی سرحد پر خدمات ادا کرتے رہے۔

موجودہ جنگ میں جس کی ابتدا ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء سے ہے۔ آپ نے دسمبر ۱۹۴۱ء اور جنوری ۱۹۴۲ء کی کپکپا دینے والی سردیوں کے درمیان ملایا میں جو خدمات ادا کی ہیں۔ انہی کے صلہ میں آپ

کو وکٹوریہ کراس کا تمغہ ملا ہے۔

جس بریگیڈ میں کرنل کمنگ (CUMMING) کی بٹالین تھی۔ وہ بریگیڈ شمال مشرقی ملایا میں کوٹاہ بہارو (KOTA BAHARU) کے قریبی ساحل پر مقیم تھا۔ ۹ دسمبر کی صبح کو جاپانیوں نے ساحل پر اترنا شروع کیا۔ کرنل کمنگ کی ریزرو بٹالین کی کمپنیاں فوراً کیلانٹن (KELANTAN) میں پھیل گئیں۔ اور ڈوگرہ کمپنی ڈوگرہ رجمنٹ کی ان دو کمپنیوں کی مدد کو بھیجی گئیں۔ جو دشمن کے سمندر کی جانب والے حملہ کا روک تھام کر رہی تھیں۔ کرنل خود بھی اس کمپنی میں شامل تھے۔ اور ساحل سمندر پر جس کے پیچھے ایک بہت بڑا چشمہ تھا۔ لڑ رہے تھے۔ لڑائی صبح سے شام تک برابر جاری رہی۔ فضا پر ہوائی جہازوں کا قبضہ تھا۔ اور نیچے زمین تھی۔ اوپر آسمان تھا۔ اور درمیان میں ہوائی جہاز چکر لگا لگا کر گولے برسا رہے تھے۔

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں صرف وہ شعلے دکھائی دیتے تھے جو ایک ٹرانسپورٹ جہاز کو آگ لگنے سے بلند ہو رہے تھے۔ اور ہر چند کہ رائل ایر فورس کے ہوائی جہاز کوٹا بہارو (KOTA BAHARU) کے ہوائی اڈوں کی ہر چیز یعنی عمارتوں اور پیٹرول کے ذخیروں کو جلا رہے تھے۔ لیکن اسی اثنا میں ہماری فوج کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم ملا۔ فوج پیچھے تو ہٹ گئی۔ لیکن وہ بہت بڑا چشمہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ رستے ہی میں آتا تھا۔ اس لئے پیچھے ہٹنا بھی آسان کام نہ تھا۔ چونکہ اس کا پل توڑ دیا گیا تھا۔ اور

کشتیاں ڈبو دی گئی تھیں۔ اس لئے سوائے اس کے کہ ہم تیر کر اس بڑے چشمے کو پار کرتے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ آخر ایسا ہی کرنا پڑا۔ کچھ آدمی ڈوب گئے۔ بہت سے ہتھیار جاتے رہے۔ ساتھ ہی ایک گھنا جنگل تھا۔ ہم نے وہاں ایک نئی پوزیشن قائم کرلی۔ لیکن ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ کہ اس پارٹی کو جاپانیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور لڑائی انتہائی شدت کے ساتھ شروع ہو گئی۔

کرنل صاحب ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر برین گن (Bren gun) چلا رہے تھے۔ لیکن ان کے آدمی جلد جلد گر رہے تھے۔ یہاں تک کہ صرف ستر آدمی رہ گئے۔ کرنل صاحب ان سب کو درختوں کی آڑ میں لے گئے۔ ان کی صف بندی کی۔ سب کی ہمت بڑھائی۔ اور آخر زبردست نعرے لگا کر سنگینوں کے ساتھ دشمن پر پل پڑے۔ اس کے بعد کبھی جاپانیوں کا گھیرا ٹوٹ جاتا۔ کبھی ان میں بھاگڑ مچ جاتی۔ اور کبھی وہ اپنی منتشر فوجوں کو جمع کر کے پھر آگے بڑھتے۔ کبھی گھنے جنگلوں میں اس طرح چھپ جاتے۔ کہ ان کو تلاش کرنا آسان نہ ہوتا۔

لیکن ہمارا گولہ بارود رفتہ رفتہ کم ہو رہا تھا۔ ہماری پارٹی دریا کی طرف واپس آئی۔ اور واپس آتے ہوئے بھی برابر ان سے لڑتی رہی۔ وہ زیادہ دور تک ہمارا پیچھا نہ کر سکے۔ دریا پر ہمیں تین کشتیاں مل گئیں جن کی مدد سے ہم دریا پار ہو گئے۔ ہماری پارٹی تین دن اور تین رات تک مارچ کرتی رہی۔ رستہ سے ناواقفیت تھی۔ لیکن

کمپاس Compass) کے ذریعہ ہم پیچ در پیچ منزلیں طے کرتے ہی چلے گئے۔ بعض ایسے مقامات بھی رستے میں آئے۔ جہاں گھٹنوں تک ہمارے جوانوں کو کیچڑ میں چلنا پڑا۔ اور کئی مقامات ایسے بھی آتے جہاں کندھوں کے نیچے تک وہ پانی میں چلتے رہے۔ اور گندلا پانی پیتے اور گا کر اور تفریح کی باتیں کر کے وقت گذارتے۔ اور ان شعروں پر عمل کرتے رہے۔

مصیبت کو دل سے بھلاتے رہو　　غموں کے اثر کو چھپاتے رہو
یونہی رنگ رلیاں مناتے رہو　　گرجتے رہو دندناتے رہو
اچھلتے رہو مسکراتے رہو
مصیبت میں سیٹی بجاتے رہو

آخر چلتے چلتے ایک چھوٹا سا گاؤں آیا۔ تین دن رات تک لگاتار مارچ کرنے سے سب تھک گئے تھے۔ اور سردی بھی غضب کی تھی۔ کرنل صاحب نے وہاں آرام کرنا مناسب سمجھا۔ کچھ آدمی انھوں نے واپس کر دیئے۔ تین زخمی آدمی اور ایک ڈوگرہ جمعدار ان کے پاس رہے۔ دو چینی عورتیں چاول اور مچھلی کے دو پیالے ان کو کھلانے کے لئے دے گئیں۔ ابھی آرام نہیں کرنے پائے تھے۔ کہ جاپانیوں نے اس گاؤں کو بھی گھیر لیا۔

یہ چھوٹی سی پارٹی یہاں سے بچ کر آگے نکل گئی۔ جہاں قدرت نے ایک عجیب واقعہ سے اس کی مدد کی۔ جن تھکے ماندے آدمیوں کو کرنل صاحب نے واپس کر دیا تھا۔ ان کو رستے میں ہماری آرمورڈ کیریئر (Armoured Carrier)

مسلح بار برداری کی گاڑی مل گئی۔ جو پانچ دن سے کرنل صاحب اور ان کے آدمیوں کی تلاش میں تھی۔ اور کسی کو بھی ان کے زندہ ملنے کی امید نہ تھی۔ یہ سب لوگ جاپانی لائنوں سے ہٹتے اور بچتے ہوئے اپنی رجمنٹ میں جا پہونچے۔ جب رجمنٹ کے جوانوں نے کرنل صاحب کو دیکھا۔ تو خوشی سے اُچھل پڑے۔ کرنل صاحب نے بھی رجمنٹ کے ایک ایک جوان سے ہاتھ ملالیا۔ اور اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

بہادر اور جواں مرد آدمی عیش اور آرام کا طلبگار نہیں ہے۔ وہ عیش و آسائش کو کاہلی اور سستی بلکہ بزدلی تصور کرتا ہے۔ اسی بنا پر اس پارٹی نے ابھی دو ہی دن آرام کیا تھا۔ کہ پھر لڑائی کے لئے تیار ہو گئی۔ اب کرنل صاحب کے ساتھ ۸ بلوچ رجمنٹ کی ایک بٹالین تھی۔ کرنل صاحب ندی کو پار کر رہے تھے۔ کہ پانچ گز کے فاصلے پر لکڑیوں کے ایک ڈھیر میں سے ایک گولی سیدھی آکر کرنل صاحب کو لگی۔ کرنل صاحب نے گولی کے زخم کی پرواہ کئے بغیر اس ڈھیر پر بم کا ایک چھوٹا سا گولہ چلایا۔ اور ساتھ ہی برین گن سے فائر کیا۔ جس نے لکڑیوں کے ڈھیر کے پیچھے تین جاپانیوں کا صفایا کر دیا۔

آگے چل کر ایک موقع ایسا پیش آیا۔ کہ جب ان کا بریگیڈ شام کے قریب پیچھے ہٹ رہا تھا۔ تو اندھیرا ہوتے ہی ان پر دائیں بائیں گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ چاندنی رات تھی جب جاپانیوں کے ایک غول بیابانی نے بھوتوں کی طرح کرنل صاحب کی پارٹی

پر حملہ کر دیا۔ اور چھ جاپانیوں نے کرنل صاحب کی ذات خاص کے گرد گھیرا ڈال کر ان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن کرنل صاحب کو غیب سے آواز آرہی تھی ؎

چکا بھی دو کہیں دشمن کا جھگڑا چلا بھی دو کہیں ریوالور کو

چنانچہ دو کو انہوں نے اپنے ریوالور سے وہیں ڈھیر کر دیا۔ اس کے بعد وہ کچھ اور بھی کرنا چاہتے تھے۔ کہ ایک تو ایک سنگین کی اَنی ان کے جسم میں لگی۔ اور دوسرے رائفل کے فائر سے ان کے سر پر ایسا زخم آیا۔ کہ وہ گر پڑے۔ اس بے بسی کے عالم میں ایک جاپانی نے ان کو سنگین بھونکنی چاہی۔ مگر آپ نے اسے ایک ہی لڑھکنی ایسی دی۔ کہ وہ پٹخنی کھا کر انہی کے اوپر گر پڑا۔ جسے انہوں نے پرے کر کے اس پر قابو پا لیا۔ اور ایک اور جاپانی کو عدم آباد پہنچا دیا۔ ان کا ریوالور اب خالی ہو چکا تھا۔ تاہم انہوں نے اس کی ضرب سے ایک اور دشمن کو دھکا دیدیا۔ اس اثنا میں کرنل صاحب کے کچھ آدمی ان کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے ان کو ایک (Brest work) برلیسٹ ورک کے پیچھے ایک محفوظ مقام پر لٹا دیا۔

لیکن ان کی پارٹی پر جاپانیوں کے حملے برابر جاری تھے۔ ان کی پارٹی کے صوبیدار میجر نے (Lank 7) کا چارج لے کر برین گن کے ذریعہ تیس گز کے فاصلے سے دشمن پر خوب گولیاں چلائیں۔ کرنل صاحب یہ حالت دیکھکر برلیسٹ ورک سے جھپٹ کر باہر نکلے۔ اور ہتھیار بند گاڑی پر سے آپ نے (Tommy Gun) ٹومی گن اٹھالی۔ جس سے چھ جاپانی مارے گئے۔ اور ایک اور حملے میں چند

اور کا صفایا ہونے سے آخر دشمن کو اپنی پوزیشن چھوڑنی پڑی۔
کرنل صاحب نے (Carrier) کے ڈرائیور کو آواز دی۔ کہ وہ اسے اور قریب لائے۔ کیریئر کے قریب آتے ہی آپ نے اس میں سے گولہ بارود کے کچھ ڈبے نکالے۔ اور ٹومی گن سے چاروں طرف انہوں نے فائر کرنے شروع کئے۔ آخر دشمن کو جو پھر آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک دفعہ اور پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس لڑائی میں دشمن کے چالیس پچاس آدمی سے کم نہ مرے ہوں گے۔ لیکن ہمارے صرف چھ آدمی ہی زخمی ہوئے۔
کرنل صاحب کو سنگین کے زخم کے علاوہ چار گولیوں کے زخم بھی تھے۔ جن میں دو خطرناک بتائے جاتے تھے۔ وہ خون کے بہہ جانے سے کمزور ہو رہے تھے۔ اس لئے انہیں ہسپتال میں لے جانے کے لئے (Carrier) پر سوار کیا گیا۔ رستے میں دشمن نے ان پر چھاپے تو مارے۔ لیکن ان کا ہوشیار ڈرائیور جو اگرچہ خود بھی بہت بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ کسی نہ کسی طرح دشمن سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور وہ دونوں سنگاپور کے ہسپتال میں پہنچا دیئے گئے۔

سپاہی ایشر سنگھ وی سی

(جنگ وزیرستان میں وکٹوریہ کراس کا تمغہ لینے والا)

ضلع ہوشیار پور کے نینوان نام ایک موضع میں ۱۱- دسمبر ۱۸۹۵ء کو ایک معمولی گھرانہ میں وہ با اقبال اور ہونہار فرزند پیدا ہوا۔ جس نے نہ صرف اپنے والدین کا اپنے گاؤں کا بلکہ اپنے ملک کا نام روشن کر دیا۔ اور صرف نام ہی روشن نہیں کیا۔ بلکہ اپنے کام سے اور اپنی خدمات سے اور اپنی وفاداریوں سے عہدے پر عہدے اور اعزاز پر اعزاز حاصل کر کے درجۂ امارت بھی حاصل کر لیا۔

اس کا نام ایشر سنگھ تھا۔ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں ایک گبرو جوان تھا۔ اسی عمر میں ۱۱- دسمبر ۱۹۱۳ء کو وہ ۲۸ پنجابیز میں جو اب ۴/۱۵ پنجاب رجمنٹ کہلاتی ہے۔ ایک معمولی سپاہی کی حیثیت میں بھرتی ہوا۔

اپریل ۱۹۲۱ء میں وزیرستان کے علاقہ میں حیدری کچھ کے قریب جو لڑائی ہو رہی تھی۔ اس میں آپ بھی شامل تھے۔ ان ایام میں آپ لوئس گن سیکشن کے سپاہی ما تھے۔ ۱۰۔ اپریل کا واقعہ ہے۔ دشمن نے حملہ کر دیا۔ اور ابھی لڑائی کو جاری ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ کہ آپ کے سینہ میں ایک

گولی لگی۔ جس سے اس قدر سخت زخم آیا۔ کہ آپ اپنی توپ کے قریب ہی گر پڑے۔

اس افسوسناک واقعہ کے بعد لڑائی زیادہ تیز ہو گئی۔ یہاں تک کہ آپ کی کمپنی کے برطانوی اور ہندوستانی افسر یا تو زخمی ہو گئے۔ یا مارے گئے۔ بلکہ توپ بھی جس کو آپ زخمی ہونے سے پہلے چلا رہے تھے۔ دشمن کے قابو میں آگئی۔

آپ کی یونٹ کے افسر جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ یا ہلاک ہو چکے تھے یا زخمی تھے۔ آپ خود بھی اپنے سخت زخم کی وجہ سے ڈیوٹی بجا لانے کے ناقابل تھے۔

یہ حالات اس قسم کے تھے۔ کہ آپ دشمن سے جان بچانے کے لئے اپنے آپ کو مُردوں کی طرح لٹائے رکھتے۔ لیکن آخر آپ کی ہمت اور غیرت نے گوارا نہ کیا۔ آپ نے اپنے دو جوانوں کو اشاروں سے اپنے پاس بلایا۔ ان کا سہارا لے کر اُٹھے۔ اور اُٹھتے ہی دشمن پر حملہ بول دیا۔ اور اس شیر مرد کا دشمن پر کچھ ایسا رعب چھایا۔ کہ یہ اس سے اپنی توپ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ اور ہر چند کہ بے حد کمزور تھے۔ اور خون بہہ رہا تھا۔ مگر آپ نے توپ چلانی شروع کر دی۔

اس اثنا میں ان کے سیکشن کا جمعدار آیا اس نے آپ کو آرام کرنے ہسپتال میں جانے اور زخموں کی

مرہم پٹی کرانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ ہسپتال میں چلے تو گئے۔ لیکن وہاں بھی آرام سے نہیں بیٹھے۔ بلکہ اپنے میڈیکل افسر کو ان کے کام میں مدد دیتے رہے ان کو زخمیوں کا پتہ بتا کر ہسپتال میں منگواتے رہے اور زخمیوں کے لئے بار بار دریا پر پانی لانے کے لئے آتے اور جاتے رہے۔

ایک مرتبہ ڈاکٹر ایک زخمی سپاہی کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ دشمن کے حملہ سے یہ مقام بھی محفوظ نہ رہا تھا۔ آپ نے ڈاکٹر کو اپنی آڑ میں لیا۔ اور وہ زخمی کی مرہم پٹی کرتا رہا۔ اسی طرح آپ سے اس لڑائی میں اور بھی کئی کارہائے نمایاں ظاہر ہوتے رہے جن سے آپ کی بے نظیر جوانمردی۔ فرض شناسی اور جذبہ وفاداری کی شہرت بڑھتی ہی چلی گئی۔ جس پر آخر آپ کے اعلےٰ فوجی افسروں کی سفارش سے حضور ملک معظم جارج پنجم شہنشاہ ہندوستان نے آپ کو وکٹوریہ کراس کا فوجی اعزاز عطا فرمایا۔ اس کے بعد آپ کا اعزاز اور مرتبہ بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ کئی منزلیں طے کر کے آخر سپاہی سے صوبیدار میجر ہو گئے۔ سنہ ۱۹۳[illegible]ء میں آپ کو آرڈر آف برٹش انڈیا کے تمغہ کے ساتھ سردار بہادر کا خطاب ملا۔ پھر آنریری لفٹنٹ ہو کر کمانڈر انچیف افواج ہند کے ایڈیکانگ والے ڈی سی مقرر ہوئے۔

وہ نوجوان لڑکا جو ۱۹۱۳ء میں ایک معمولی سپاہی تھا۔ آج ۱۹۴۲ء میں "آنریری لفٹنٹ صوبیدار میجر سردار بہادر ایشر سنگھ وی سی۔ او۔ بی آئی اے ڈی سی" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اب بھی خدمت بجا لا رہا ہے۔

ہر سپاہی صوبیدار بن سکتا۔ اور ایسے ہی اعزاز حاصل کر سکتا ہے۔ صرف فرض شناسی۔ وفاداری۔ جانثاری۔ جان سے بے خوفی اور ہمت و استقلال کی ضرورت ہے۔

گولوں نے اس کی توپ کو بالکل بیکار کر دیا۔ تو اس کو واپس آجانے کا حکم دیدیا گیا۔ چنانچہ وہ اپنے دو پیٹی بھرنے والے جوان رفلوں کے ساتھ نہ صرف واپس ہی آگیا۔ بلکہ وہ اپنے تین جوانوں کے ساتھ جو اس کی مدد کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اپنی مشین گن اور ایمونیشن کے علاوہ ایک سخت زخمی جوان کو بھی جو زمین سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنے ہمراہ لیتا آیا۔ اور یہ اتنا بہادر اور پھرتیلا جوان ثابت ہوا۔ کہ دو بیلچوں کے سوا وہ تمام ہتھیار اور سامان بھی اٹھا لایا۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ اس قدر نمایاں بہادری نہ دکھاتا۔ اور اس سخت ترین مشکل اور گھبراہٹ میں استقلال ظاہر نہ کرتا۔ تو دشمن ہماری لائین میں ضرور داخل ہو جاتا۔

اس غیر معمولی شجاعت و دلاوری کے صلہ میں اس نوجوان کو وکٹوریہ کراس کا تمغہ عطا کیا گیا۔

نائک شمشاد خاں وی سی

ہندوستانی وکٹوریہ کراس پانے والے خوش نصیب نوجوانوں کے حالات لکھے جاچکے تھے۔ کہ اس مختصر سی کتاب کا ایک گم شدہ ورق جس کا مضمون ۳۔ مارچ ۱۹۲۹ء کے اردو فوجی اخبار کے ردمن اردو مضمون سے لیا گیا تھا۔ اتفاقیہ مل گیا۔ اس میں نائک شمشاد خان دی سی کے حالات تھے۔ جو ذیل کی سطور میں درج کئے جاتے ہیں۔

شمشاد خان ۸۹ پنجابیز میں نائک ہے۔ اور اس کا نمبر ۱۶۰۵ ہے۔ جب وہ جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں اپنی پلٹن کے ہمراہ شامل ہوا۔ تو وہ ایک ایسی پوزیشن میں مشین گن سیکشن کا انچارج تھا جس پر دشمن نہایت آسانی سے اپنی ضرب لگا سکتا تھا۔ اور وہ پوزیشن دشمن کے مورچوں سے ڈیڑھ سو گز کے اندر اندر ہماری نئی لائن کے ایک رخنہ کے سامنے تھی۔ اور اس کو "کور" کر رہی تھی۔ دشمن نے پے در پے تین سخت حملے کئے۔ لیکن اس بہادر نوجوان نے تینوں حملوں ہی کا منہ پھیر دیا۔ اور ہر چند کہ ان حملوں میں اس کے تمام جوان کام آگئے۔ یا زخمی ہو گئے۔ اور صرف دو بیٹی بھرنے والے ہی زندہ رہ سکے۔ لیکن اس پر بھی وہ ان تھک اور نڈر جوان اکیلا ہی اپنی مشین گن کو چلاتا رہا۔

دشمن نے تین گھنٹہ تک فائرنگ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دوران میں ہماری نئی لائن کے رخنہ کی مرمت برابر ہوتی رہی۔ جب دشمن کے

دیکھو صفحہ ۶۱

مادرِ وطن کا پیام ہندوستانی سپاہیوں کے نام

(از نتیجۂ فکر منشی مہاراج بہادر برق دہلوی منشی فاضل)

حریفوں کو ملانا خاک میں پیکار جو ہو کر
الٹ دینا صفیں سینہ بسینہ رو بہ رو ہو کر
قدم آگے بڑھانا موت سے بیگانہ خو ہو کر
لہو میں ہاتھ بھرنا تشنۂ خونِ عدو ہو کر
پلٹنا رَن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہو کر

دکھا دینا کہ شانِ راجپوتی اس کو کہتے ہیں
اجل کٹتی ہے جس سے تیغِ ہندی اس کو کہتے ہیں
دلوں پہ نقش کر دینا دلیری اس کو کہتے ہیں
پکار اٹھیں عدو بھی سرفروشی اس کو کہتے ہیں
پلٹنا رَن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہو کر

دکھانا ہاتھ وہ تیغِ دودم کے اُدنگ کر دینا
جو آئے سامنے اک وار میں چورنگ کر دینا
سرِ میداں عدو کا قافیہ ہی تنگ کر دینا

زمین کو دشمنوں کے خون سے گلرنگ کر دینا
پلٹنا رن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہوکر
برستی آگ میں توپوں کے حملے بے دھڑک کرنا
نہا کر خون میں اپنے ادا حق نمک کرنا
تصدق نام پر اپنے وطن کے جان تک کرنا
یہی ہے شیوۂ اہل وفا اس میں نہ شک کرنا
پلٹنا رن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہوکر
دم تیغ افگنی منہ پھیر دینا رُوسیاہوں کے
اکھڑ جائیں قدم جمتے ہی دشمن کی سپاہوں کے
جو بھاگیں روک دینا بڑھ کے ناکے شاہراہوں کے
ٹھکانے جان ہاروں کو نہ ہاتھ آئیں پناہوں کے
پلٹنا رن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہوکر
اڑا دینا دھوئیں توپوں کے گولوں سے غبار دل کے
اڑا دینا پرخچے سر بسر بجلی کے تاروں کے
مٹا دینا اثر بالکل الکٹرک کے شراروں کے
سر میداں ہی تم مدفن بنا دینا ہزاروں کے
پلٹنا رن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہوکر
ملا کر خاک میں دشمن کے منصوبوں کو دم لینا
ستمگاری وسفاکی کا بدلہ یک قلم لینا
بہ نوک تیغ دشمن سے اطاعت کی قسم لینا
شکست فاش دے کر انتقام بلجیم لینا

پلٹنارن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہو کر

کوئی دشمن ہو اپنا تم اسے نیچا دکھا دینا
عزدرہ دشمناں کی آہنی دیوار ڈھا دینا
تہلکہ اپنی جان بازی کا برلن تک مچا دینا
وہاں بھی نام کا انگلینڈ کے ڈنکا بجا دینا
پلٹنارن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہو کر

ظفر پائی برٹش کے لئے سو جان سے لڑنا
مجسم بن کے تصویر شجاعت آن سے لڑنا
نئے سامان سے لڑنا قدیمی شان سے لڑنا
مگر ایمان کے بندے ہو تم ایمان سے لڑنا
پلٹنارن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہو کر

اٹھانا ہاتھ تم ہرگز نہ پیر و طفلک و زن پر
روا رکھنا نہ آئین ستم مغلوب دشمن پر
نہ کرنا امتحان تیغ بے ہتھیار جرمن پر
پڑیں چھینٹے نہ خون بیگنہ کے اڑکے دامن پر
پلٹنارن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہو کر

دلیر جنگ یورپ کا بخیر انجام کر دینا
عدو کا آب تیغ برق دم سے کام کر دینا
جہاں میں اپنی جاں بازی کا شہرہ عام کر دینا
زمانہ بھر میں روشن انڈیا کا نام کر دینا
پلٹنارن سے بھارت کے سپوتو سرخرو ہو کر

محمد الدین فوق پبلشر نے حمایت اسلام پریس لاہور میں باہتمام شیخ حسن الدین پرنٹر چھپوا کر دفتر اخبار کشمیری بیرون دروازہ شیرانوالہ سے شائع کیا

ظفر برادرس تاجران کتب ظفر منزل لاہور کا سلسلہ تالیفات ۲۱

جغرافیہ ریاست پونچھ

مؤلفہ

ظفر برادرس لاہور

قیمت ۳؍ — بار اوّل — ۱۹۲۸ء

جغرافیہ ریاست پونچھ

باب اوّل

فصل اوّل

حدود اربعہ۔ سطح۔ پہاڑ۔ اور دریا

حدود اربعہ:۔ عزیز بچو! اگر تم سے کوئی پوچھے۔ کہ تمہارا گھر کہاں واقع ہے۔ تو تم اسے کس طرح بتاؤ گے؟ تم یہی کہو گے۔ کہ شہر کے فلاں محلے میں فلاں گلی کے داہنے یا بائیں طرف واقع ہے۔ اور اس کے قریب، فلاں عمارت یا سکول یا کوئی اور چیز ہے۔ اسی طرح اگر تم سے یہ پوچھا جائے۔ کہ تمہاری ریاست پونچھ کہاں واقع ہے۔ تو تم کیا

جواب دو گے؟ یہ جواب شاید تم نہ دے سکو۔ اس لئے آؤ ہم تمہیں بتائیں۔

نقشہ پر اپنی ریاست دیکھو۔ اور سب سے پہلے شمال کی طرف نگاہ کرو۔ یاد رکھو۔ کہ نقشہ لٹکایا جائے تو اس کا شمال اوپر کی طرف اور جنوب نیچے کی طرف ہوتا ہے۔ مشرق دائیں ہاتھ اور مغرب بائیں طرف ہوگا ریاست کے شمال میں کشمیر کا ایک ضلع مظفر آباد نظر آتا ہے۔ جنوب میں رامپور راجوری اور کوٹلی کی تحصیلیں دکھائی دیتی ہیں۔ اسی طرح مشرق میں یعنی تمہارے دائیں ہاتھ کی طرف ریاست کشمیر کا علاقہ شوپیاں اور گلمرگ اور مغرب میں ضلع مظفر آباد کا کچھ حصہ اور مری اور کہوٹہ کی تحصیلیں اور دریائے جہلم واقع ہیں۔ انہیں ایسی اچھی طرح یاد کر لو۔ کہ جب کبھی تم سے پوچھا جائے۔ کہ تمہاری ریاست کے مشرق مغرب شمال یا جنوب کی طرف کون کون سے علاقے شامل ہیں۔ تو تم فوراً بتا سکو۔

یاد رکھو۔ کہ کسی علاقے کی چاروں حدوں کا اِس طرح معلوم کرنا بڑا ضروری ہے۔ اس کے بغیر تم وہ علاقہ بہت مشکل سے تلاش کر سکو گے چاروں حدوں کا

دوسرا نام حدود اربعہ ہے۔ اب تم اسی طریقہ سے اپنے سکول کا حدود اربعہ معلوم کرو۔

لمبائی چوڑائی:۔ بچو۔ تمہارے سکول کا صحن کتنا لمبا ہے! اور کتنا چوڑا؟ لمبائی چوڑائی ناپ کر اپنے ماسٹر جی کو بتاؤ۔ اسی طرح اپنے گھر کو بھی ماپو۔ اور اس کی لمبائی چوڑائی ماسٹر جی کو بتاؤ۔

اب بتاؤ کہ تمہاری ریاست پونچھ کتنی لمبی ہے۔ اور کتنی چوڑی؟ یہ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ مگر ایک دفعہ پھر یاد کرلو۔ کہ نقشہ میں شمال کس طرف ہوتا ہے اور جنوب کس طرف؟ مشرق کس طرف اور مغرب کس طرف؟

تمہاری ریاست شمال سے جنوب تک تقریباً ایک سو میل لمبی ہے۔ اور مشرق سے مغرب تک چالیس میل چوڑی ہے۔ بتاؤ تمہارا سکول بڑا ہے یا تمہاری ریاست۔ تمہارے سکول کی لمبائی چوڑائی کے برابر کس قدر سکول ریاست میں بن سکتے ہیں؟

سطح:۔ اپنے سکول کے صحن کو غور سے دیکھو۔ صحن کی زمین قریباً قریباً ہموار ہے۔ یعنی نہ اُونچی ہے نہ نیچی۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو۔ کہ ہمارے سکول کے صحن کی سطح ہموار ہے۔
شہر سے باہر نکل کر دیکھو۔ جو زمین نظر آتی ہے۔ وہ کیسی

ہے؟ اگر وہ اونچی نیچی ہے۔ تو تم کہہ سکتے ہو۔ کہ اس زمین کی سطح ہموار نہیں ہے۔

بتاؤ تمہاری سلیٹ کی سطح کیسی ہے؟ جس کھیت میں ہل چلایا جائے اس کی سطح کیسی ہوگی؟

اب تم ایک ہوائی جہاز میں بیٹھ کر آسمان کی طرف اُڑ جاؤ اور اپنی ریاست کی سطح کی طرف دیکھو۔ تو وہ بالکل ناہموار نظر آئیگی ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ دکھائی دینگے۔ صرف کہیں کہیں ہموار زمین نظر آئے گی۔ اس قسم کی سطح کو تم کیا کہوگے؟

بعض پہاڑ ٹیلوں کی شکل میں اکیلے دُکیلے ہوتے ہیں۔ مگر بعض بہت لمبے ہوتے ہیں۔ لمبے پہاڑوں کو سلسلہ کوہ کہتے ہیں۔ اپنے سکول کی چھت پر جاکر دیکھو۔ ریاست میں کوئی سلسلہ کوہ نظر آتا ہے یا نہیں؟

تمہاری ریاست میں اس قسم کے دو سلسلہ کوہ ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام **پیر پنجال** ہے۔ اور دوسرے کا **اتولی پیر**۔ پیر پنجال سے شمال کی طرف کشمیر ہے۔ اور جنوب کی طرف تمہاری ریاست پونچھ۔ کشمیر کی چیزیں جو تمہاری ریاست کے شہروں میں بکتی ہیں۔ ان کو لانے والے اسی سلسلہ کوہ پر سے گذرتے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو۔ کہ کون کون سی چیزیں کشمیر سے آتی ہیں۔ اور کیوں لائی جاتی ہیں؟

سلسلہ کوہ بیشک ایک لمبا پہاڑ ہوتا ہے - مگر مکان کی دیوار کی طرح ہر جگہ سے ایک ہی جتنا اونچا نہیں ہوتا - کسی جگہ سے بالکل نیچا ہوتا ہے - اور پھر کسی جگہ سے ٹوٹا ہوا بھی ہوتا ہے - جس جگہ سے پہاڑ ٹوٹا ہوا ہو - وہاں سے لوگ آسانی سے گذر سکتے ہیں - پہاڑوں میں اس قسم کے راستہ کو جس میں سے آدمی پہاڑ کے وار پار گزر سکیں درہ کہتے ہیں - اس قسم کے درے اکثر پہاڑوں میں ہوتے ہیں - کشمیر کے جو لوگ تمہاری ریاست میں آتے ہیں - انہی دروں میں سے گذرتے ہیں -

زمین پر کنکر مٹی سے ایک سلسلہ کوہ بناؤ - اور اس میں کسی کسی جگہ درے دکھاؤ

ہم ابھی بتا چکے ہیں - کہ پہاڑ دیوار کی طرح ہر جگہ سے ایک ہی جتنے اونچے نہیں ہوتے - بلکہ کسی جگہ سے بالکل ٹوٹے ہوئے کسی جگہ سے بہت نیچے - اور کسی جگہ سے بہت ہی اونچے ہوتے ہیں - تم اپنے مکان پر چڑھ کر اپنی ریاست کے سلسلہ کوہ پیر پنجال کی طرف دیکھو - بعض بعض جگہیں بہت ہی اونچی ہیں - پہاڑوں کی ایسی اونچی جگہوں کو چوٹیاں کہتے ہیں -

تمہارے پہاڑ پیر پنجال کی سب سے اونچی چوٹی کا نام تتت کوٹی ہے - جو سطح سمندر سے ۱۵۵۲۴ فٹ اونچی ہے -

بچو - یاد رکھو - جو مقامات بہت بلند ہوتے ہیں - وہاں

بہت سردی پڑتی ہے۔ گرمی کا موسم ہو یا سردی کا۔ وہاں ہمیشہ ہی سردی رہتی ہے تمہیں کوئی چوٹی پر تمہیں کوئی سفید سفید سی چیز نظر آتی ہے؟ یہ سفید چیز برف ہے۔ غور سے دیکھو۔ پیر پنجال کی جتنی بلند چوٹیاں ہیں۔ سب برف سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے۔ تو جان لو گے کہ اونچی چوٹیوں پر برف کیوں پڑتی ہے۔

تمہاری ریاست کا دوسرا سلسلہ کوہ الوولی پہر ہے۔ اس کی سب سے بلند چوٹی تقریباً ایک میل بلند ہے۔ یہ سلسلہ کوہ تحصیل صدر و تحصیل باغ کے درمیان واقع ہے۔

عزیز بچو! تمہیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ تمہاری ریاست میں کون کون سے پہاڑ ہیں۔ آؤ۔ اب ہم تمہیں یہ بتائیں کہ پہاڑوں سے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں:

(۱) سب سے پہلا فائدہ تو یہ ہے۔ کہ پہاڑوں پر درختوں کے جنگل ہوتے ہیں جنکی لکڑی بہت کارآمد ہوتی ہے۔

(۲) لکڑی کے علاوہ پہاڑوں میں کئی قسم کی بوٹیاں اور دوائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جو بیماروں کو دی جاتی ہیں۔

(۳) پہاڑوں پر کئی قسم کے جانور بھی پائے جاتے ہیں مثلاً ہرن بارہ سنگے۔ نیل گائیں وغیرہ۔

(۴) بہت سے دریا پہاڑوں میں سے نکلا کرتے ہیں۔

تم نے دریا تو دیکھا ہی ہوگا۔ دریا پانی کی ایک ندی ہوتی ہے۔ جو بہت لمبی ہوتی ہے۔ جس جگہ سے دریا نکلتا ہے اُسے **منبع** اور جہاں وہ کسی سمندر میں گرتا ہے اُسے **دہانہ** کہتے ہیں۔

(۵) بعض پہاڑ دو علاقوں کے درمیان حد بناتے ہیں۔ پیر پنجال کو دیکھو۔ کشمیر اور تمہاری ریاست پونچھ کے درمیان حد بناتا ہے۔

(۶) اکثر اونچے پہاڑوں سے ہوا ٹکرا کر مینہ برساتی ہے۔ اپنے استاد سے پوچھو۔ کہ مینہ کیونکر برستا ہے۔

(۷) پہاڑوں میں سے معدنیات نکلتی ہیں۔ لوہا۔ پتھر کا کوئلہ۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ قلعی۔ گندھک اور کئی اور قسم کی دھاتیں ملتی ہیں۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے۔ تو کوئی دھات نہ ملتی اور دُنیا کا کوئی کام نہ چلتا۔

پہاڑوں میں کئی مقامات بہت نیچے اور ہموار ہوتے ہیں۔ ایسے مقامات کو **وادیاں** کہتے ہیں۔ اپنے استاد سے کہو۔ کہ وہ تمہیں زمین پر پہاڑ اور پہاڑوں پر وادیاں بنا دیں۔ تاکہ تم اچھی طرح سمجھ جاؤ۔

اِن وادیوں کی زمین نہایت زرخیز ہوتی ہے۔ ہر قسم کے غلے پیدا ہوتے ہیں۔ گھاس بہت اُگتی ہے۔ اور

مویشیوں کا گذارہ بہت اچھا ہوسکتا ہے۔ شہر اور گاؤں آباد ہوتے ہیں۔ کسی پہاڑ پر چڑھ کر نیچے دیکھو۔ اس قسم کی کئی چھوٹی چھوٹی وادیاں نظر آئیں گی۔

دریا۔ پھر یاد کرو۔ کہ دریا کسے کہتے ہیں۔ تمہارے شہر یا گاؤں کے پاس سے کوئی دریا گزرتا ہے یا نہیں؟ اگر گزرتا ہے۔ تو بتاؤ۔ اس سے کیا فائدے پہنچتے ہیں؟ دریاؤں سے بڑے بڑے فائدے جو ہمیں پہنچتے ہیں۔ یہ ہیں:-

(۱) دریاؤں میں سے مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔

(۲) بڑے بڑے دریاؤں میں جہاز چلتے ہیں۔ اپنے اُستاد صاحب سے پوچھو۔ کہ دریاؤں میں جہاز چلنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔

(۳) لوگ کپڑے دھوتے ہیں۔ نہاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ اسی طرح مویشی بھی پانی پیتے ہیں۔

(۴) دریاؤں سے نہریں نکال کر کھیتوں میں پانی دیا جاتا ہے۔ کیا تمہارے علاقہ میں کوئی نہر ہے؟ اگر نہیں۔ تو اس کی وجہ کیا ہے؟

(۵) پہاڑوں پر جو لکڑیاں کاٹی جاتی ہیں۔ اُن کو دریاؤں میں پھینک دیتے ہیں۔ وہ خود بخود بہتی آتی ہیں۔ اور لوگ انہیں پکڑ لیتے ہیں۔

(۶) جو دریا بہت تیزی سے بہتے ہیں - ان کے کنارے پن چکیاں لگائی جاتی ہیں - جو کوئلہ وغیرہ کے بغیر چلتی رہتی ہیں - اپنے اُستاد سے کہو - کہ وہ ایک پن چکی بنا کر تمہیں دکھائے -

اِن کے علاوہ دریاؤں کے اور بھی فائدے ہیں - جب تم بڑے ہو گے تو تمہیں معلوم ہو جائیں گے -

بعض وقت دریاؤں سے نقصان بھی بہت ہوتے ہیں - کیا تم بتا سکتے ہو - کہ وہ کون سے نقصان ہیں ؟

تمہاری ریاست ایک پہاڑی علاقہ ہے - اس لئے یہاں کے دریا تمہیں بہت کم فائدہ پہنچا سکتے ہیں - بڑے بڑے دریا یہ ہیں :-

(۱) جہلم :- تمہاری ریاست کا سب سے بڑا دریا ہے یہ ایک چشمہ میں سے نکلتا ہے - جو کشمیر میں واقع ہے - اور جسے ویری ناگ کہتے ہیں - اور سرینگر - بارہ مولا - اور مظفر آباد سے ہوتا ہوا - کوہالہ کی طرف روانہ ہوتا ہے - ان مقامات کو اپنے نقشہ پر دیکھو - اور خوب یاد کر لو -

کوہالہ سے آگے یہ دریا ریاست پونچھ میں داخل ہوتا ہے - یہاں اس کے مشرق کی طرف تحصیل باغ ہے - اور مغرب کی طرف انگریزی علاقہ کا ضلع ہزارہ واقع ہے -

جہلم تمہاری ریاست کے بہت تھوڑے حصے کو سیراب کرتا ہے دہارو ہرچھ گاؤں کے پاس پہنچکر پھر انگریزی علاقہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۲) دریائے پونچھ۔ دیکھو اس دریا کا نام تمہاری ریاست کے نام پر ہے۔ نقشے پر سے دیکھو۔ اس کا منبع کوہ پیر پنجال پر ڈھک گرجن کے قریب ہے۔ یہ تمہاری ریاست کا سب سے بڑا دریا ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً ڈیڑھ سو میل ہے۔

یہ دریا نہایت تیزی سے بہتا ہے۔ اور دہانہ سے پانچ میل تک اس کے پانی کی آواز بہت دُور دُور تک سُنائی دیتی ہے بہرام گلہ گاؤں کے پاس پہنچکر یہ دریا ایک بلند جگہ سے نیچے گرتا ہے۔ اور بہت شور مچاتا ہے۔ اگر کوئی دریا اس طرح اونچی جگہ سے گرے۔ تو اس مقام کو آبشار کہتے ہیں۔ آبشار سے آگے اسی دریا کا نام توری چھنم ہو جاتا ہے۔ یہاں اس کی چوڑائی بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں اِدھر اُدھر سے کئی ندی نالے آکر گرتے ہیں۔ ان چھوٹے ندی نالوں کو جو کسی بڑے دریا میں گریں معاون کہتے ہیں۔ معاون کے معنی ہیں مدد کرنے والا۔ بتاؤ کہ یہ ندی نالے بڑے دریا کی کیا مدد

کرتے ہیں ؟

یہ دریا آس پاس کے علاقوں کے لئے بہت مفید ہے۔ بہت سے میدان اسی کی وجہ سے زرخیز ہیں۔ آخر پونچھ کی سرحد سے نکلکر ریاست جموں میں جا داخل ہوتا ہے۔ اور وہاں پہنچکر دریائے جہلم سے مل جاتا ہے۔ اس دریا کے کنارے بہت سے شہر اور گاؤں آباد ہیں۔ جن میں سے مشہور یہ ہیں۔

بہرام گلہ۔ بغلیاز۔ پوٹھہ۔ سمہوٹ۔ چنڈک۔ نگالی۔ پونچھ۔ ٹبل۔ منڈول سہلڑہ۔ تناہی۔ یہ نام یاد کرلو۔ اور نقشے پر دیکھو۔ کہ وہ کہاں کہاں واقع ہیں

(۳) نالہ منڈہی۔ یہ نالہ بھی کوہ پیر پنجال ہی سے نکلتا ہے۔ اسکی لمبائی صرف بیس میل ہے چنڈک کے قریب دریائے پونچھ میں مل جاتا ہے۔ یہ نالہ بہت زور و شور سے بہتا ہے۔ برسات کے دنوں میں اس سے بہت نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ اس موسم میں اس نالہ میں اس قدر پانی آتا ہے۔ کہ ارد گرد کے تمام علاقوں میں سیلاب آجاتا ہے۔

(۴) نالہ بیتاڑ یہ نالہ بھی نالہ منڈہی ہی کی طرح خوفناک ہے اور اتنا ہی لمبا ہے۔ شہر پونچھ کے قریب دریائے پونچھ میں گر جاتا ہے۔ برسات کے دنوں میں اس میں سخت طغیانی آتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے ارد گرد کے علاقوں کو بڑا بھاری نقصان پہنچتا ہے۔ یہ نالہ بہت چکر کاٹتا ہے۔ اسی وجہ سے پہلے اسے بے تار کہتے تھے۔ بے تار بگڑ کر بیتاڑ بن گیا۔

(۵) نالہ مہنڈر۔ نقشے میں دیکھو۔ یہ نالہ مہنڈر تحصیل کے درمیان سے گذرتا ہے۔ اور قصبہ سہرڑہ کے قریب دریائے پونچھ سے مل جاتا ہے۔

(۶) نالہ ماہل:۔ یہ نالہ تحصیل باغ میں ہے۔ اسکی لمبائی ۲۵ میل ہے اس پر پل کوئی نہیں۔ اسلئے ہر سال کئی آدمی ڈوب کر مر جاتے ہیں۔

سوالات

(۱) ریاست کا ایک نقشہ بناؤ۔ اور اس میں ذیل کی چیزیں پُر کرو۔
دریائے جہلم۔ شہر پونچھ۔ دریائے پونچھ۔ بہرام گلہ۔ نالہ منڈی۔ پیر پنجال۔ تتہ کوٹلی۔ دہار دہیرجہ۔ کوہالہ۔ اوٹلی پیر۔ باغ

(۲) دریائے پونچھ کا حال سناؤ۔ اور اس کے کناروں پر جو شہر اور گاؤں آباد ہیں۔ ان کے نام بتاؤ۔

(۳) پہاڑوں سے کیا فائدے پہنچتے ہیں؟

(۴) سلسلہ کوہ۔ درہ۔ سطح۔ حدود اربعہ۔ آبشار۔ منبع وادی۔ کسے کہتے ہیں۔

(۵) پیر پنجال کی سب سے بلند چوٹی کونسی ہے اور وہ کتنی اونچی ہے۔

فصل دوم

آب و ہوا۔ پیداوار۔ پیشے۔

آب و ہوا۔ بچو۔ تم دیکھتے ہو کہ تمہارے گاؤں یا شہر میں کبھی تو گرمی

ہوتی ہے۔ کبھی سردی اور کبھی بارش ہوتی ہے۔ تو کبھی ایسی رُت جبکہ نہ سردی ہوتی ہے نہ گرمی۔ تقریبًا ہر علاقے میں یہ چار قسم کی رُت ہوتی ہے پہلے سردی۔ پھر بہار۔ اس کے بعد گرمی اور سب سے اخیر پر برسات۔ رُت کو موسم بھی کہتے ہیں۔

تم دیکھتے ہو۔ کہ یہ چاروں موسم سارا سال نہیں رہتے ہر وقت بدلتے رہتے ہیں

اب چار پیالے لو۔ ایک میں سُرخ رنگ حل کرو۔ دوسرے میں سبز۔ تیسرے میں زرد۔ اور چوتھے میں نیلا۔ دیکھو۔ یہ سب الگ الگ رنگ ہیں۔ لیکن اگر ان چاروں کو ملا دیا جائے تو کیا رنگ ہو جائیگا؟ اپنے استاد کے سامنے بیٹھ کر یہ تجربہ کرو۔ چاروں رنگ مل جانے کے بعد جو رنگ پیدا ہوا ہے وہ اور ہی قسم کا ہے۔ اسے نہ تو تم سُرخ کہہ سکتے ہو۔ نہ سبز نہ زرد اور نہ نیلا۔ بلکہ ایک ایسا رنگ بن گیا ہے۔ جس میں چاروں رنگ موجود ہیں۔ لیکن الگ الگ نظر بھی نہیں آتے۔

اسی طرح اگر گرمی۔ برسات۔ سردی۔ اور بہار چاروں موسموں کو ملا دیا جائے۔ تو ایک ایسا موسم بن جائے گا۔ جس میں یہ چاروں موسم موجود بھی ہونگے۔ مگر الگ الگ ان کا پتہ بھی نہیں لگ سکیگا۔ اس نئے موسم کو جو اس طرح پیدا ہوتا ہے آب وہوا کہتے ہیں۔

آب وہوا چاروں موسموں کی ملاوٹ سے بنتی ہے۔ لیکن جو موسم ان چاروں میں سب سے طاقت ور ہوگا۔ وہ آب وہوا میں ذرا زیادہ ہی رہیگا۔ اگر چاروں موسموں میں گرمی سب سے زیادہ ہے۔ تو ان کی ملاوٹ

ہے جو آب وہوا بنیگی - اس میں گرمی زیادہ ہوگی - اور ہم کہیں گے کہ یہ آب وہوا گرم ہے -

اور اگر سردی زیادہ ہوگی - تو آب وہوا سرد رہے گی -
اسی طرح اگر برسات زیادہ ہوگی تو آب ہوا میں نمی زیادہ ہوگی - اور اسے ہم **مرطوب** آب وہوا کہیں گے - لیکن اگر چاروں موسم ایک ہی جیسے ہوں - تو ان کی ملاوٹ سے جو آب وہوا بنے گی - اسے ہم **معتدل** کہیں گے - تمہاری ریاست کی آب وہوا مختلف ہے کسی جگہ سرد کسی جگہ گرم

جنوبی اور مغربی حصہ کی آب وہوا بہت گرم ہے - مشرقی اور شمالی حصے کی آب وہوا سرد ہے - سردی کے موسم میں تو اتنی برف پڑتی ہے - کہ میدان - پہاڑ وغیرہ سب برف سے ڈھک جاتے ہیں - بلکہ ندی - نالے بھی جم کر برف بن جاتے ہیں -
بعض وادیوں میں نہ گرمی زیادہ ہوتی ہے - نہ سردی یعنی وہاں سال بھر آب وہوا معتدل رہتی ہے - ساری ریاست میں بارش کافی ہوجاتی ہے - بارش عام طور پر گرمیوں میں ہوتی ہے -
عزیز بچو - آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ کس جگہ کی آب وہوا کس طرح بنتی ہے -

(۱) تم نے سنا ہوگا - کہ جب میدانوں میں سخت گرمی پڑتی ہے - تو لوگ پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں - کیونکہ وہاں بہت سردی ہوتی ہے اس لئے یاد رکھو کہ **اونچے مقامات کی آب وہوا ہمیشہ سرد ہوتی ہے** -

(۲) گرمی کے موسم میں اپنے مکان کی چھت پر سوتے ہو۔ کیونکہ تھوڑی تھوڑی ہوا آتی رہتی ہے۔ جس سے کچھ ٹھنڈک رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ اگر ہوا چلتی رہے۔ تو خواہ گرمیوں کا موسم کیوں نہ ہو۔ آب وہوا عمدہ ہو جاتی ہے۔

(۳) گرمیوں میں جب بارش ہو۔ تو آب وہوا ذرا ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اور وہ پہلی سی گرمی نہیں رہتی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ گرم آب وہوا کو عمدہ بنانے کے لئے بارش کی بھی ضرورت ہے۔

(۴) بعض دفعہ پہاڑ بھی کسی ملک کی آب وہوا کو خوشگوار یا بُرا بنا دیتے ہیں۔ اگر بارش کشمیر سے آئے تو تمہارا سلسلہ کوہ پیر پنجال اسے روک لیگا۔ اور پونچھ میں بارش نہیں ہوگی۔ اسی طرح پہاڑ گرم اور سرد ہواؤں کو بھی روک سکتے ہیں۔

(۵) جو ہوائیں تمہارے علاقہ میں چلتی ہیں۔ وہ اگر کسی سرد ملک سے آئینگی۔ تو اپنے ساتھ سردی لے آئینگی۔ لیکن اگر گرم ملک سے آئینگی تو اپنی گرمی سے تمہارا علاقہ بھی گرم بنا دینگی۔

لہذا یاد رکھو۔ کہ کسی جگہ کی آب وہوا پر پانچ چیزوں کا اثر ہوتا ہے

(۱) زمین سے بلندی (۲) سمندر سے فاصلہ (۳) بارش کا ہونا۔ (۴) ہواؤں کا رُخ (۵) پہاڑوں کا رُخ۔

ان پانچوں باتوں کو بہت اچھی طرح یاد کرلو۔

پیداوار اور نتیجے:۔ یاد رکھو۔ کہ جن علاقوں کی آب وہوا معتدل

ہو یعنی وہاں نہ زیادہ گرمی ہو نہ سردی۔ وہاں گیہوں۔ جو۔ چنے اور ہر قسم کی دالیں یعنی مٹر۔ مسور۔ مونگ۔ موٹھ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور گھاس بہت ہوتی ہے۔ جس پر مویشی بہت اچھا گزارہ کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمہاری ریاست میں جہاں علاقہ ہموار ہے۔ اور بارش اچھی ہو جاتی ہے۔ وہاں لوگوں کا پیشہ کاشتکاری۔ مویشی پالنا اور چمڑے وغیرہ کی تجارت کرنا ہے

جو وادیاں چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہیں۔ وہاں جب بارش کا موسم آتا ہے۔ تو آب و ہوا اور مرطوب ہو جاتی ہے۔ گرم مرطوب آب و ہوا میں کماد۔ تمباکو۔ مکئی۔ شالی اور کپاس بہت ہوتی ہے اور پہاڑوں پر گھنے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ پہاڑوں پر لکڑی کا ٹنا بھی ایک بڑا پیشہ ہے۔ اخروٹ۔ گری وغیرہ بھی بہت پائے جاتے ہیں۔

لیکن جن علاقوں کی آب و ہوا ہمیشہ گرم رہتی ہے۔ اور بارش بالکل نہیں ہوتی۔ وہاں تھوڑی سی گھاس کے علاوہ کچھ پیدا نہیں ہوتا تمہاری ریاست میں اس قسم کا کوئی علاقہ نہیں۔

اور جو آب و ہوا بہت سرد ہو وہاں چنے اور تھوڑی سی دالیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ البتہ گھاس بہت پیدا ہوتی ہے۔ جہاں بھیڑ۔ بکریاں بہت رہ سکتی ہیں۔ ایسے علاقوں میں لوگوں کا سب سے بڑا پیشہ بھیڑ۔ بکری پالنا۔ اور اون کی تجارت کرنا ہے۔ سرد علاقوں کے پہاڑوں پر نرم لکڑی کے جنگلات مثلاً دیار۔ چیڑ (بیاڑ) وغیرہ ہوتے ہیں اس لئے

لوگوں کا دوسرا پیشہ لکڑی کاٹنا ہے۔

معتدل آب وہوا میں میوے بہت پیدا ہوتے ہیں۔ تم کون کون سے میوے کھاتے ہو اور وہ کس کس علاقے میں ہوتے ہیں؟

سوالات و اشارات

(۱) آب وہوا کسے کہتے ہیں؟

(۲) گرم مرطوب۔ سرد۔ اور معتدل آب وہوا کی پیداوار کیا ہے؟ تمہاری ریاست میں اس قسم کی آب وہوا کہاں کہاں پائی جاتی ہے؟

(۳) بھیڑ۔ بیل۔ بندر۔ بھیڑئیے۔ کماد۔ میوے۔ اور گیہوں کیسی آب وہوا کی پیداوار ہے؟

[بندر ایسے علاقوں میں ہوتے ہیں۔ جہاں اخروٹ کے درخت ہوں۔ اخروٹ ان کی بہت نفیس خوراک ہے، بھیڑئیے معتدل آب وہوا میں ہوتے ہیں۔ معتدل آب وہوا میں ہرن خرگوش۔ بکریاں وغیرہ عام ہوتی ہیں۔ جنہیں بھیڑئیے شوق سے کھاتے ہیں۔]

(۴) اگر کوہ پیر پنجال زمین میں دھنس جائے۔ تو تمہاری ریاست کی آب وہوا کس قسم کی ہو جائے؟

[یہ پہاڑ کشمیر کی سرد ہواؤں کو روکتا ہے۔ اگر یہ نہ رہے۔ تو وہ سرد ہوا میں پونچھ کو بالکل سرد کر دیں۔ نیز دریا۔ چونکہ سب کے سب پیر پنجال سے نکلتے ہیں اس لئے وہ بھی خشک ہو جائیں۔ اور ریاست صرف سرد خشک زمین کا ایک ٹکڑہ رہ جائے۔]

(۵) پونچھ کے مغربی حصہ کے لوگوں کے کیا پیشے ہیں۔ اور کیوں ہیں؟

(۶) آب وہوا پر کون کون سی چیزوں کا اثر ہوتا ہے؟

(۷) پیر پنجال پر برف کیوں پڑتی ہے؟ سردی کے موسم میں تم دروازے بند کر کے کیوں سوتے ہو؟ (بند دروازے ہوا کو روکتے ہیں)

فصل سوم

ذرائع آمدورفت۔ باشندے اور تجارت۔

پونچھ ایک پہاڑی ریاست ہے۔ جس میں عمدہ سڑکیں ہونا یا ریل کی لائن بچھانا نہایت مشکل ہے۔ لیکن اب کچھ عمدہ سڑکیں بن رہی ہیں۔ جن پر موٹریں چلیں گی۔ اور آہستہ آہستہ اور سڑکیں بنائی جا رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یہاں لوگوں کو آنے جانے میں سخت وقت ہوتی ہے۔ جو لوگ ذرا مالدار ہیں۔ وہ بیلوں۔ گھوڑوں۔ خچروں اور گدھوں پر مال و اسباب ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ مگر جو لوگ گھوڑے وغیرہ نہیں پال سکتے۔ وہ اپنا اسباب مزدوروں کے سروں پر اُٹھوا کر لے جاتے ہیں۔ پیداوار تھوڑی ہوتی ہے۔ اس لئے باشندے بہت غریب ہیں۔ ریاست میں غریب لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جو محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

پیداوار اتنی نہیں ہوتی۔ کہ لوگوں کے لئے کافی ہو سکے۔ اس لئے بہت کم چیزیں باہر کو جاتی ہیں۔ تجارت کی زیادہ تر یہ چیزیں ہیں بنفشہ۔ اخروٹ۔ عمارتی لکڑی۔ گھی۔ انار دانہ۔ اور اُونی دُھسّے۔ اور لوئیاں۔ گُٹھ اور غلّہ باہر لے جانے کی ممانعت ہے۔ دوسرے

علاقوں سے یہ چیزیں آتی ہیں۔ کپڑا کھانے پینے کی اشیاء لوہے کی چیزیں۔ برتن وغیرہ۔

پنجاب سے لوگ **سہالہ** کے راستے آتے جاتے ہیں۔ سہالہ راولپنڈی کے قریب ایک ریلوے سٹیشن ہے۔ پونچھ شہر یہاں سے تقریباً سو میل کے فاصلے پر ہے۔ سہالہ سے کرائے کے گھوڑے ملتے ہیں جو چار دن رات میں پونچھ پہنچا دیتے ہیں۔ راستے میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر **پڑاؤ** ہیں۔ جہاں **ڈاک بنگلے** موجود ہیں **ہجیرہ** **تراڑکھل** اور **پلندری** مشہور پڑاؤ ہیں

اس راستے کو **لچھمن پتن** کے پاس لوگ دریائے جہلم کو کشتیوں میں عبور کرتے تھے۔ مگر اب یہاں دریا پر پُل بن گیا ہے۔

شمال کی طرف کوہ پیر پنجال ایک درہ ہے جس کا نام **درہ حاجی پیر** ہے یہاں ایک قصبہ **علیاباد** ہے۔ جو بہت سرد مقام ہے۔ اس درہ سے کشمیری لوگ پونچھ میں آتے جاتے ہیں۔ یہاں سے **کشمیر** کی تحصیل **اوڑی** صرف ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے۔

شہر جہلم تک جانے کے لئے بھی ایک راستہ ہے جو **بھمبر** اور جموں کی تحصیلوں **کوٹلی** اور **میرپور** سے ہوتا ہوا جہلم کو جا ملتا ہے۔

ایک اور راستہ تحصیل **باغ** سے جو پونچھ سے شمال مغرب میں واقع ہے **کوہالہ** کو جاتا ہے۔ اس راستہ کا کچھ حصہ دریائے جہلم کے کنارے کنارے جاتا ہے جو نہایت تنگ اور دشوار گزار ہے۔ کوہالہ کے

پاس دریائے جہلم پر پُل بنا ہوا ہے۔

پونچھ سے جموں اور جموں سے پنجاب جانے کا راستہ راجوری سے گزرتا ہے۔ اس راستے پر ایک مقام سُرن آتا ہے جو پیر پنچال کی ایک شاخ کے قریب ہے۔ پہاڑ کے اس طرف سُرن اور دوسری طرف تھنہ ہے تھنہ تحصیل راجوری کا ایک خوشگوار مقام ہے۔

ریاست کے زیادہ لوگ جاگیردار ہیں۔ مگر تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ آجکل راجہ صاحب کوشش کر رہے ہیں۔ کہ لوگ لکھنا پڑھنا سیکھ کر ہوشیار ہو جائیں۔ اسلئے ملک میں جابجا سکول کھل رہے ہیں۔

ساری ریاست کی آبادی ساڑھے تین لاکھ آدمیوں کی ہے۔ باشندے سب کے سب مسلمان ہیں۔ صرف ۱۴ ہزار کے قریب ہندو ہیں۔ مسلمانوں کی قومیں سدھن۔ چوہدری رمیال۔ ڈھونڈ۔ گجر۔ کشمیری۔ ٹھکیال۔ سید۔ برہمن اور جنال ہیں۔ جو تقریباً سب زراعت پیشہ ہیں۔ ڈھونڈ اور سدھن قوموں کے آدمی فوجی ملازمت بھی کرتے ہیں ہندوؤں میں ڈوگرہ۔ راجپوت۔ کھتری۔ اور برہمن خاص طور پر مشہور ہیں۔ ڈوگرے ملازمت پیشہ ہیں مگر باقی ساری قومیں تجارت یا زراعت کرتی ہیں۔ تھوڑے سے سکھ بھی ہیں۔

بڑی بڑی زبانیں جو ریاست میں بولی جاتی ہیں۔ یہ ہیں کشمیری پہاڑی۔ ڈوگری۔ گجری اور پنجابی۔

سوالات

(۱) ریاست کے آمد و رفت کے ذریعے بیان کرو۔
(۲) اگر تمہیں پنجاب کو جانا ہو تو کس راستے سے جاؤگے؟ اسکا مفصل ذکر کرو۔
(۳) ریاست سے کونسی چیزیں باہر جاتی ہیں اور کونسی ریاست کے اندر آتی ہیں؟ غلہ اور کٹھ باہر لیجانے کی کیوں ممانعت ہے؟
(۴) پونچھ کے لوگوں کے بڑے بڑے پیشے بیان کرو۔ (۵) پونچھ میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں

فصل چہارم

حیوانات۔ معدنیات۔ صنعت و حرفت۔

پونچھ چونکہ ایک پہاڑی ریاست ہے۔ اس لئے یہاں جنگلی جانور زیادہ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ریچھ۔ سؤر۔ شیر اور چیتے بہت ہیں۔ ان جانوروں کو مارنے کے لئے ریاست میں بہت سی شکارگاہیں ہیں۔ لارڈ منٹو نے جو ہندوستان کے وائسرائے تھے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں یہاں آکر شکار کھیلا۔ اور چالیس ریچھ مارے!

دوسرے حیوانات میں مارخور بکرا اور رونسہ بھی ملتے ہیں۔ رونسہ کی ناف سے کستوری نکلتی ہے۔ جو ایک بڑی قیمتی چیز

ہے۔ ہرن اور نیل گائیں بھی اکثر ملتی ہیں۔
زہریلے سانپ۔ گرگٹ اور کنکھجورے بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔ اور ان سے کئی جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں۔
ریاست میں معدنیات بالکل نہیں ملتیں۔ یہاں تک کہ نمک بھی دوسرے علاقوں سے یہاں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ لوگ ترقی کے میدان میں بہت ہی پیچھے رہ گئے ہیں۔
چونکہ ملک میں بھیڑیں بہت ہیں۔ اس لئے ان کی اُون سے لوئیاں پٹو اور گرم کپڑا بنایا جاتا ہے

سوالات

(۱) پونچھ کے پہاڑوں میں کون سے جانور زیادہ تعداد میں ہیں۔
(۲) کستوری کہاں سے نکلتی ہے۔
(۳) یہاں لوئیاں اور پٹو کیوں زیادہ بنتے ہیں؟

فصل پنجم

تاریخی حالات

عزیز بچو۔ آؤ تمہیں ایک کہانی سُنائیں جس سے تمہیں معلوم ہوگا

کہ تمہارے ملک اور تمہارے دار الخلافہ کا نام کس طرح بدلتا رہا۔ اور یہاں کون کون لوگ حکومت کرتے رہے۔

آج سے کئی صدیاں پیشتر ایک چینی سیاح[1] کشمیر میں آیا تھا۔ اور دو سال تک کشمیر اور اس کے گرد و نواح میں رہا تھا۔ اس زمانہ میں پونچھ کا نام پن۔ نو۔ تسو۔ تھا اور تمہاری ریاست کے علاقہ کا نام لوہر یا لوہرین تھا۔ اور یہ کشمیر[2] کے ماتحت تھا

چینی سیاح کے قریباً چار سو سال کے بعد جب محمود غزنوی[3] نے کشمیر پر حملہ کیا تو البیرونی نام ایک مسلمان مؤرخ اسکے ہمراہ تھا اس نے واپس جاکر اپنی سیر و سیاحت کی داستان لکھی۔ اس زمانہ میں بھی تمہارے علاقہ، ریاست کا نام لوہر یا لوہرین ہی تھا اُسنے تت کوٹ اور وادئے سُرن کے مضبوط قلعوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ منڈی سد زُون۔ سُرن اور کئی اور پہاڑی اور میدانی علاقے لوہر کی حدود میں شامل تھے۔ اس زمانہ میں یہ کشمیر کے ماتحت نہیں تھا۔ بلکہ یہاں راجہ سنگراج کی حکومت تھی۔ اس کی بیٹی راج کماری دِدا[4] کشمیر کے راجہ کھیم گپت[5] کی رانی خاوند کے مرنے کے بعد کشمیر میں برسوں تک حکومت کرتی رہی۔ کشمیر کا راجہ سنگرام راج جس کے

(۱) ہیون سانگ جو ۶۳۱ء میں کشمیر آیا (۲) اس زمانہ میں کشمیر کا راجہ درلب وردن تھا عہد حکومت ۶۱۷ء تا نہایت ۶۵۰ء (۳) ۱۰۲۱ء میں محمود نے کشمیر پر حملہ کیا اور ناکام رہا البیرونی اسکے ہمراہ تھا۔ کشمیر کا راجہ اس زمانہ میں سنگرام راج تھا عہد حکومت ۱۰۰۳ء لغایت ۱۰۲۸ء (۵) عہد حکومت ۹۵۰ء لغایت ۹۵۸ء

زمانہ میں محمود غزنوی نے کشمیر پر حملہ کیا تھا اسی رانی کا بھتیجہ تھا۔ کشمیر کے آخری نامور راجاؤں میں راجہ جَے سنگھ بہت مشہور گزرا ہے۔ پنڈت کلہن جس نے تاریخ راج ترنگنی لکھی ہے اسی کے عہد میں ہُوا ہے۔ اس زمانہ میں تمہارے پونچھ کا نام پرن۔تو۔تسو کی جگہ پرنوتس یا پرنتس مشہور تھا۔ اور علاقہ کو لوہر ہی کہتے تھے۔ انقلاب زمانہ نے اس کو پھر کشمیر کے ماتحت کر دیا تھا۔

زمانہ حال کے نامور جغرافیہ[۲] دانوں نے بھی بڑی چھان بین کے بعد یہی رائے قائم کی ہے کہ پرنوتس یا پرنتس بلاشبہ پونچھ ہی کا نام ہے اور لوہر یا لوہرین میں واقع ہے۔ جو ایک آباد اور زرخیز پہاڑی علاقہ سلسلۂ پیرپنجال کے عین جنوب میں ہے۔ پرنوتس یا پرنتس کا نام پونچھ کس زمانہ میں رکھا گیا۔ اس کے متعلق کوئی صحیح واقفیت نہیں ملتی۔ لیکن پرنتس چونکہ کشمیری لفظ ہے۔ اس لئے قیاس یہ کہتا ہے کہ جب مغلوں[۳] نے کشمیر کو فتح کیا ہے۔ تو پرنتس کا نام بھی اُسی زمانہ میں زبان کے تغیر کی وجہ سے پرنچھ (پرچھ) اور بعد میں پونچھ تبدیل ہو گیا ہو گا۔ ان ایام میں

---

[۱] عہد حکومت ۱۱۲۵ء لغایت ۱۱۶۲ء [۲] خصوصاً سٹائن صاحب جنہوں نے ۱۸۹۲ء میں سارے کشمیر اور نواحات کی سیر کی ہے۔ اور راج ترنگنی کا جو سنسکرت میں تھی انگریزی میں اپنے نوٹوں کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

[۳] اکبر نے کشمیر کو ۱۵۸۶ء میں فتح کیا تھا۔

پونچھ پر مسلمان راجاؤں کی حکومت تھی۔ اور ان میں راجہ رستم خاںؒ جس کے نام پہ پونچھ کا نام کچھ عرصہ تک رستم نگر بھی رہا ہے بہت مشہور اور نامور گزرا ہے۔ قریباً پانچ سو سال کے بعد مسلمانوں کی جگہ کشمیر اور پونچھ میں پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنا راج قایم کر لیا۔ لیکن جب مہاراجہ کی وفاتؒ کے بعد سکھوں نے انگریزوں سے کئی لڑائیاں لڑ کر آخر میں شکست کھائی۔ تو بطور تاوان جنگ کشمیر اور ضلع ہزارہ کا کچھ حصہ انگریزوں کے ہاتھ آیا۔ لیکن اس وقت ان کو روپیہ کی بڑی ضرورت تھی۔ انگریزوںؒ نے راجہ گلاب سنگھ (جموں) سے ایک عہدنامہ کر کے کشمیر کا ملک ان کے سپرد کر دیا۔

راجہ گلاب سنگھ کا بڑا بھائی راجہ دھیان سنگھ (جس کے نام پر لاہور میں ایک حویلی راجہ دھیان سنگھ بھی مشہور ہے) مہاراجہ رنجیت سنگھ کا وزیر اعظم تھا۔ مگر وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے مہاراجہ شیر سنگھ کے زمانہ میں قتل ہو چکا تھا۔ اسلئے راجہ گلاب سنگھ نے جو انگریزوں سے عہدنامہ کرنے کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ والئے جموں و کشمیر کہلاتے تھے۔ اپنے بھائی راجہ دھیان سنگھ کے بیٹے راجہ موتی سنگھ کو پونچھ کا علاقہ حکومت کے لئے دیدیا۔ چنانچہ وہ کئی سال تک بہت اچھی طرح حکومت کرتے رہے۔ ان کی وفات

---

۱ عہد حکومت از ۱۷۶۶ء تا ۱۷۹۲ء ....

۲ ۱۸۳۹ء ۳ ۱۸۴۶ء میں یہ عہدنامہ بمقام امرتسر لکھا گیا ....

کے بعد راجہ بلدیو سنگھ گدّی پر بیٹھے ۔ جنہوں نے طویل عرصہ تک پونچھ پر حکومت کی ۔ اور لوگ ان سے بہت خوش رہے ۔ انہوں نے پونچھ کو کشمیر سے بالکل الگ کر کے[۵۱] اپنے احکام و قوانین جاری کر دیئے ۔ اگست ۱۹۱۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا ۔ انہی کے زمانہ میں پونچھ میں ریزیڈنسی کی ایک شاخ قایم ہوئی تھی ۔

ان کی وفات کے بعد ان کے ولی عہد راجہ سکھدیو سنگھ جی گدّی پہ بیٹھے ۔ ان کے زمانہ میں دربار کشمیر نے یہاں ریزیڈنسی کی بجائے مشیر[۵۲] مقرر کر دیا ۔ ان کا انتقال بعمر ۲۶ سال نومبر ۱۹۲۶ء میں ہو گیا ۔

ان کی جگہ راجکمار جگت دیو سنگھ جی کو جو راجہ سکھدیو سنگھ جی کے چھوٹے بھائی ہیں ہز ہائینس مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر والئے جموں و کشمیر نے بسنت[۵۳] کے دن جموں میں پونچھ کی راج گدی کا اعلان سنایا ۔ چنانچہ سری راجہ جگت دیو سنگھ جی ۶ ۔ فروری ۱۹۲۸ء کو جموں سے پونچھ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ۱۳ ۔ فروری ۱۹۲۸ء کو شام کے قریب رونق افروز ہوئے ۔ رعایا کے تمام فرقوں نے بڑی محبت اور بڑی گرمجوشی سے آپ کا استقبال کیا ۔ دعا ہے کہ آپ دیر تک پونچھ پہ امن و امان کے ساتھ حکومت کرتے رہیں

---

[۵۱] ۱۸۹۷ء ۔ [۵۲] ۔ اس عہدہ کا انگریزی نام ایڈوائیزر رہے ۔

[۵۳] ۱۔ ماگھ سمہ ۱۹۸۴ب مطابق ۲۷ ۔ جنوری ۱۹۲۸ء بروز جمعہ ۔

سوالات

(۱) پونچھ کا پُرانا نام چینی سیاح کے زمانہ میں کیا تھا؟
(۲) البیرونی کے زمانہ میں تت کوٹی اور سورن کہول مشہور تھے۔
(۳) اس زمانہ میں پونچھ میں کس کی حکومت تھی۔
(۴) راجہ جے سنگھ کون تھا۔ اور اس زمانہ میں پونچھ کس نام سے مشہور تھا؟
(۵) پونچھ کے مسلمان راجاؤں میں کون مشہور راجہ گذرا ہے۔
(۶) کشمیر کس طرح مہاراجہ جموں کے قبضہ میں آیا۔
(۷) اس خاندان میں سب سے پہلے پونچھ کی گدی کس کو ملی۔
(۸) تمہارے موجودہ راجہ صاحب سے پہلے اس خاندان سے کون کون راجہ ہوئے ہیں۔
(۹) تمہارے راجہ صاحب کا نام کیا ہے۔

---

(۲) مُلکی انتظام

اہم ملکی معاملات میں ایڈوائزر یعنی مشیر سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ مگر اندرونی معاملات میں راجہ صاحب بالکل آزاد ہیں۔

ریاست میں سب سے بڑا عہدہ وزیر ریاست ہے۔ جو ۱۹۲۳ء سے مہاراجہ صاحب کشمیر کی طرف سے مقرر کر کے بھیجا جاتا ہے۔ اس کے بعد چیف ریونیو افسر کا عہدہ ہے۔ اس سے پہلے ریونیو افسر کو حاکم اعلیٰ یا گورنر کہتے تھے۔ یہ عہدہ بھی مہاراجہ کشمیر کی طرف سے پُر کیا جاتا ہے۔

ریاست کے محکمہ انصاف کی تمام عدالتوں کا افسر چیف جج
کہلاتا ہے۔ ان کے علاوہ ایکاؤنٹ آفیسر۔ چیف ایجوکیشنل افیسر
چیف فارسٹ آفیسر۔ چیف میڈیکل آفیسر۔ جنرل کمانڈنگ آفیسر
سپرنٹنڈنٹ کسٹمز وایکسائز۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ سٹیٹ انجنیئر۔
پرائیویٹ سیکرٹری۔ مہتمم خزانہ اور ایڈوائزر کے محکمہ ہیں۔ تمہارے
اُستاد تمہیں بتائینگے۔ کہ ان میں سے ہر ایک افسر کے ذمے کیا کیا کام ہیں
تمام محکموں کے اعلیٰ افسر خاص شہر پونچھ ہی میں رہتے ہیں۔
ریاست میں سے جس قدر راستے باہر جاتے ہیں ہر ایک پر
چونگی خانہ موجود ہے جہاں ریاست کی طرف سے مال درآمد و برآمد
پر محصول لگایا جاتا ہے۔ شہروں۔ قصبوں اور بعض دیہات میں
پولیس کی چوکیاں ہیں۔ ان کے علاوہ ہسپتال۔ سکول اور
سرائیں بھی موجود ہیں۔ سرکار انگریزی کی طرف سے بعض بعض
مقامات پر تار گھر اور ڈاک خانہ بھی ہیں۔

پہلے یہ ریاست چار تحصیلوں اور دو پرگنوں پر منقسم تھی۔
تحصیلوں کے نام یہ تھے۔ حویلی جسے صدر تحصیل بھی کہتے تھے۔
مہنڈر۔ سدہنوتی اور باغ! پرگنوں میں سے ایک کا نام تھکیالہ پڑاوہ
اور دوسرے کا کرلوپ تھا۔ ۱۹۱۴ء میں مالی انتظام کے رُو سے
تحصیل مہنڈر اور پرگنہ تھکیالہ پڑاوہ کو تحصیل حویلی میں شامل
کر لیا گیا۔ مگر ۱۹۱۹ء میں مہنڈر کو پھر الگ کر دیا گیا۔ چنانچہ اب

ریاست کی تقسیم یہ ہے :-
(۱) تحصیل صدر یعنی حویلی -(۲) تحصیل مہنیڈر (۳) تحصیل سدنہتی۔
(۴) تحصیل باغ۔ اور پرگنے (۱) تھکیالہ پڑاوہ (۲) کرلوپ۔
ہر تحصیل میں ایک تحصیلدار اور ایک نائب تحصیلدار رہتا ہے۔
مالی انتظام انہی دونوں افسروں کے سپرد ہے. وہ چھوٹے چھوٹے
مقدمات کا فیصلہ بھی کر سکتے ہیں۔

سوالات

(۱) تمہاری ریاست میں سب سے بڑا عہدہ کون سا ہے۔
(۲) محکمہ انصاف کے اعلیٰ افسر کو کیا کہتے ہیں ؟
(۳) اپنی ریاست کے محکموں کے نام بتاؤ ۔
(۴) تمہاری ریاست میں کتنی تحصیلیں ہیں ؟ تحصیل صدر کا کیا نام ہے۔
(۵) چونگی کے محکمے کیوں قایم ہیں ؟
(۶) ریاست میں ڈاک خانے کس کس جگہ ہیں ۔

بابِ دوم

ریاست کی تحصیلوں کا حال

فصل اوّل

پہلی تحصیل — تحصیل صدر

پیارے بچو۔ تحصیلوں کا حال شروع کرنے سے پہلے اپنی کاپیوں پر ریاست کا ایک خاکہ بنا کر اسے بڑے نقشے کے مطابق تحصیلوں میں تقسیم کر لو۔ اور جوں جوں ماسٹر جی پڑھاتے جائیں اپنے نقشے انہیں دکھا دکھا کر پُر کرتے جاؤ۔ اس طرح تمہیں بہت آسانی ہوگی۔ اور تمہیں ساتھ ہی ساتھ سب کچھ یاد بھی ہوتا جائیگا۔ پہلی تحصیل کو آجکل صدر تحصیل کہتے ہیں۔ مگر پہلے اسے حویلی کہا کرتے تھے۔ اس کا نام ۱۹۱۷ء میں تبدیل ہوا تھا۔ اس کا حدود اربعہ معلوم کرو۔ اور پیمانہ سے اس کی لمبائی چوڑائی ناپو۔ تمہارے ماسٹر جی تمہیں ماپنے کا طریقہ بتائینگے۔

یہ تحصیل بالکل پہاڑی ہے۔ چشمے اور باؤلیاں بڑی کثرت سے ہیں

خاص لوپچھ میں ایک عالی شان پرانا قلعہ بھی ہے۔ جس میں راجہ موتی سنگھ آنجہانی رہا کرتے تھے۔ لیکن جب راجہ بلدیو سنگھ بہادر گدّی نشین ہوئے تو انہوں نے قلعہ کے بجائے نالہ بیتاڑ کے کنارے ایک خوبصورت بنگلہ بنا لیا اور وہاں رہنے لگے۔ اور قلعہ میں فائنز اور محکمہ جات قایم ہو گئے۔ آجکل ایک اور عالی شان عمارت موتی محل کے نام سے تعمیر ہو رہی ہے۔ جس کو راجہ سکھدیو سنگھ جی نے شروع کیا تھا۔ لیکن اِنکے انتقال کی وجہ سے وہ مکمل نہ ہو سکی اب موجودہ راجہ صاحب بہت جلد اس کی تکمیل کرا دیں گے۔
تحصیل کے لوگ زیادہ تر تجارت پیشہ ہیں۔ بعض بعض کاشتکار بھی ہیں۔ ریاست سے باہر آنے کے راستے زیادہ تر اسی تحصیل سے نکلتے ہیں۔ ندی نالے بکثرت ہیں۔ لیکن دریائے پلوپچھ اور نالہ بیتاڑ بہت مشہور ہیں۔ ان کا حال بیان کرو۔

مشہور شہر وغیرہ

پلوپچھ۔ ریاست کا صدر مقام ہے۔ صدر مقام اس شہر کو کہتے ہیں۔ جہاں راجہ رہتا ہو۔ علاوہ ازیں ساری ریاست میں سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی دس ہزار کے قریب ہے۔ لیکن ہر سال اور اور آدمی یہاں آکر آباد ہو رہے ہیں۔ یہاں گرمی کے موسم میں بڑی سخت گرمی پڑتی ہے۔ اور اس لئے جب برسات کے

دن آتے ہیں۔ تو بخار کی بہت شکایت ہو جایا کرتی ہے۔
شہر میں ایک ڈاک بنگلہ ہے۔ جہاں راجہ صاحب کے مہمان ٹھہرتے ہیں۔ چھاؤنی بھی ہے۔ اور اس کے قریب ہی ایک عیدگاہ ہے۔ جہاں عید کے دن مسلمانوں کا میلہ لگتا ہے۔ مسجدیں بہت ہیں۔ ان میں سے جامع مسجد مشہور ہے۔ ہندوؤں کے مندر اور سکھوں کے گوردوارے بھی ہیں۔
ایک تار گھر۔ ایک ڈاک خانہ اور ایک شفا خانہ بھی ہے۔ شفا خانہ ریاست کے خرچ پر چلتا ہے۔ اور یہاں بیماروں کو دوا اور کھانا مفت ملتا ہے۔ ایک سرکاری ہائی سکول ہے۔ جو وکٹوریہ ہائی سکول کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ ایک اسلامیہ انگریزی مڈل سکول اور ایک ہندی گرل سکول بھی ہے۔ موجودہ راجہ صاحب شہر میں بجلی کی روشنی اور واٹر ورکس[1] کا انتظام کرنے کی تجویزوں پر غور کر رہے ہیں۔
نگالی یہ قصبہ پونچھ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے (یاد کرو۔ کہ نقشے پر مشرق دائیں ہاتھ کو ہوا کرتا ہے) یہاں ایک مشہور باؤلی ہے۔ جہاں یکم بیساکھ کے دن بیساکھی کا میلہ لگتا ہے۔ یہاں ایک مشہور سکھ سردار بھائی میلا سنگھ کی سمادھ ہے۔ جسے سکھ متبرک سمجھ کر دُور دُور سے یاترا کے لئے آتے ہیں۔ ریاست کی

[1] پانی کا کارخانہ (نل)

طرف سے یہاں دہرم ارتھ جاری ہے۔

منڈی - یہ قصبہ نگالی سے سات میل کے فاصلے پر مشرق کی جانب واقع ہے۔ یہاں گھی۔بنفشہ۔گچھیاں۔شہد۔اخروٹ۔لوٹی۔ہڈی کی تجارت بہت ہوتی ہے۔ چاول بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔علاقہ گرم ہے۔رنجیت سنگھ نے جب سنہ ۱۸۱۴ء میں کشمیر پر پہلا حملہ کیا۔اور جب وہ بہت سا مال واسباب اور فوج کا کثیر حصہ ضائع کرا کر ناکام واپس آگیا۔تو ۳۰ جولائی سنہ مذکور کو وہ اسی قصبہ میں آکر ٹھہرا تھا۔ یہ قصبہ زمانہ[1] قدیم سے سارے علاقہ کا تجارتی مرکز چلا آتا ہے۔ یہاں ایک پُل بھی سرکار نے بنوایا ہے۔

علیاباد - تمہیں معلوم ہوگا کہ علیاباد کی آب وہوا سردیوں کے موسم میں سخت سرد ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ گرمیوں میں اس کی آب وہوا دوسرے مقامات سے اچھی ہوتی ہے۔اس کی اچھی آب وہوا کو دیکھکر سری راجہ صاحب بہادر اور ان کے افسران گرمی کے موسم میں یہیں آجاتے ہیں۔یہاں کسٹم کی ایک چوکی ہے۔ وجہ یہ کہ تجارتی مقام ہے کیونکہ درہ حاجی پیر کے پاس کشمیر جانے والی سڑک پر واقع ہے

راجپور - یہ قصبہ منڈی سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں ایک مندر بڈھا امرناتھ کے نام سے مشہور ہے۔ہر سال

---

[1] سنہ ۱۱۴۸ء کے زمانہ کے مصنف پنڈت کلہن مصنف راج ترنگنی نے بھی منڈی کے تجارتی مرکز ہونے اور بوقت جنگ اس کے لوٹے جانے کا ذکر کیا ہے۔

یہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ اور لوگ دور دور سے آتے ہیں۔

سیکلو:۔ یہ ایک گاؤں ہے۔ جو پونچھ سے گیارہ میل کے فاصلے پر مشرق کی طرف واقع ہے۔ اس میں ہندوؤں اور سکھوں کی آبادی زیادہ ہے۔ نالہ منڈی کے کنارے پر آباد ہے۔ یہاں بعض وقت ہوا اس قدر تیز چلتی ہے۔ کہ بڑے بڑے درخت جڑوں سے اکھڑ جاتے ہیں

دوہڑہ خاص۔ یہ گاؤں پونچھ سے ۹ میل بجانب شمال واقع ہے۔ اس میں چوہدری قوم کے آدمی بستے ہیں۔ بلکہ اس سارے علاقہ میں یہی لوگ آباد ہیں۔ ریاست کا سب سے بڑا جاگیردار جسے راجہ کا خطاب ملا ہوا ہے۔ اسی جگہ رہتا ہے۔ اس کی جاگیر پندرہ ہزار روپیہ کی ہے۔ پہلے وقتوں میں یہ علاقہ خود مختار تھا۔ مگر آجکل ریاست کے ماتحت ہے۔

کہوٹہ۔ یہ مقام پونچھ سے گیارہ میل شمال کو ہے۔ ہندوؤں کی آبادی ہے۔ یہاں ایک ڈاک بنگلہ اور ایک پولیس چوکی اور ایک مدرسہ ہے۔ ان کے علاوہ تیتری۔ نوٹ۔ ٹُرن۔ ڈنگوار۔ کھلی ورمن۔ چھاترہ۔ جنڈک۔ گگڑیاں۔ گوپالپور۔ بانڈی وغیرہ مشہور گاؤں ہیں۔ اس ساری تحصیل میں صرف دو ڈاک خانے ہیں۔ ایک خاص پونچھ اور ایک قصبہ منڈی میں۔ کارخانہ کوئی نہیں۔ البتہ دریاؤں اور نالوں پر گھراٹ اور جندر لگے ہیں۔ اور کارخانوں کا کام ان سے لیا جاتا ہے۔

تحصیل کے آدھے حصہ میں پہاڑی اور آدھے میں کشمیری بولی جاتی ہے مسلمان۔ ہندو اور سکھ تینوں قوموں کے لوگ موجود ہیں۔ پیداوار اچھی ہے۔ خصوصاً مکی۔ شالی۔ گیہوں۔ گنا وغیرہ۔

سوالات

(۱) صدر مقام سے کیا مطلب ہے؟ تمہاری ریاست کا صدر مقام کونسا ہے؟ اور وہ کیوں مشہور ہے؟

(۲) تمہیں یاد ہوگا۔ کہ اونچے مقام کی آب و ہوا گرمیوں میں بھی خوشگوار ہوتی ہے۔ بتاؤ تمہاری تحصیل میں کوئی ایسا مقام ہے؟ نقشے پر دکھاؤ۔ اور اس کی مشہوری کی وجہ بتاؤ۔

(۳) تمہاری تحصیل کے تحصیلدار اور نائب تحصیلدار کا کیا نام ہے؟

(۴) ذیل کے قصبے کیوں مشہور ہیں۔ اور کہاں واقع ہیں؟

نگالی۔ راجپور۔ دودھڑہ خاص۔ کھوٹہ۔ منڈی۔ علیا باد۔
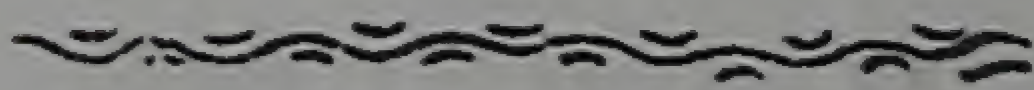
فصل دوم

دوسری تحصیل مینڈھر معہ پرگنہ تھکیالہ پڑاوہ

ابھی بنایا گیا ہے۔ کہ یہ تحصیل ۱۹۱۴ء میں تحصیل صدر کے ساتھ ملا دی گئی تھی۔ لیکن ۱۹۱۹ء میں اسے پھر علیحدہ تحصیل بنا دیا گیا اس تحصیل میں صرف دو چھوٹے چھوٹے جاگیردار ہیں۔ کئی پرائمری سکول ہیں۔ ڈاک خانہ صرف ایک ہی ہے۔ دو کچی سڑکیں بھی ہیں۔ جو دھرمسال کو جاتی ہیں۔ ایک پونچھ سے براستہ ٹبل اور دوسری براستہ سورن۔ نقشے میں تمام مقامات غور سے دیکھکر یاد کرو۔ اس تحصیل کی زبان پہاڑی ہے۔ باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ آٹا پیسنے کی چکیاں یہاں بھی نہیں۔ ندی نالوں پر گھراٹ اور جندر لگے ہیں۔ جہاں غلہ صاف کیا جاتا ہے۔ (تحصیل صدر سے مقابلہ کرو) یہاں گندم تمام ریاست سے اچھی پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ شالی اور مکی بھی یہاں کی پیداوار ہے۔

تحصیل میں دو دریا بھی ہیں۔ ایک دریائے سُرن جو پوشانہ کے قریب پیرپنجال سے نکلکر مقام جنڈک کے قریب دریائے منڈی سے مل جاتا ہے۔ اور دریائے پونچھ کہلاتا ہے۔ دوسرا مینڈہری ہے۔ جو مقام بھاٹہ دیوریاں کے چشمہ سے نکلکر دھرم سال کے قریب بہتا ہوا مقام سیہڑہ کے قریب دریائے پونچھ میں جاگرتا ہے۔ یہاں سرکار نے ایک مضبوط پل باندھا ہوا ہے۔ برسات کے دنوں میں دریائے سرن پر بھی کچے پل بنائے جاتے ہیں۔ لیکن ہر سال کتنی ہی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

مشہور قصبے

ڈھرانہ تحصیل میں سب سے بڑا قصبہ ہے۔ اور تحصیل کا صدر مقام ہے۔ نالہ مینڈر کے کنارے پونچھ سے ۲۵ میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف واقع ہے۔ یہاں ایک ہسپتال ایک پرائمری سکول ایک ڈاک خانہ اور ایک پولیس چوکی ہے۔ اب اسی مقام کو دھرم سال کہتے ہیں۔ یہاں کی شال بہت مشہور ہے۔

سیہڑہ۔ یہاں ایک ڈسپنسری۔ مدرسہ کسٹم اور پولیس چوکی ہے

ہرنی۔ دھرم سال سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں ایک مدرسہ ہے۔

سورن۔ اس علاقہ کی آب و ہوا نہایت ہی خوشگوار ہے۔

ریاست کی طرف سے یہاں ایک بنگلہ بنا ہوا ہے۔ جہاں انگریزی اور ریاستی افسر سیر کے دوران میں آرام کرتے ہیں (تحصیل صدر میں اس قسم کا کونسا مقام ہے؟)

اس قصبہ کے ایک باغ میں ایک سپیشل اسسٹنٹ ریزیڈنٹ مسٹر ایم۔ڈی کے لگائے ہوئے سیب کے درخت آج تک موجود ہیں (دیا نہ کرو کر ریزیڈنٹوں کا زمانہ کب تھا؟)

مشہور ہے۔ کہ کسی زمانہ میں اس شہر کے قریب لوہے کی ایک کان بھی تھی۔

تاہی۔ یہ گاؤں ڈھیرانہ سے ۸ میل مغرب کی طرف واقع ہے۔ یہاں گرم پانی کا ایک چشمہ بہت مشہور ہے۔ اسے "تتا پانی یا گندھک کا چشمہ کہتے ہیں۔ جن لوگوں کو جوڑوں کا درد ہو یا ریح کی بیماری میں مبتلا ہوں۔ وہ اس چشمہ میں نہا کر تندرست ہو جاتے ہیں۔ اس میں نہانے کا ایک خاص موسم ہے۔ یعنی شروع جنوری سے اخیر مارچ تک۔ اس چشمہ میں مچھلی کا شکار بھی ہوتا ہے۔ انگریز صاحبان مچھلی کا شکار اور پانی کا تجربہ کرنے کے لئے اکثر آتے رہتے ہیں۔ یہاں لوگوں کے آرام کرنے کے لئے سرکار نے ایک سرائے بھی بنوا دی ہے۔ یہاں ایک مدرسہ اور کسٹم چوکی بھی ہے۔

منڈھول۔ یہ گاؤں مغرب کی طرف دریائے پونچھ کے کنارے واقع ہے۔ یہاں پتھر کا ایک خوش نما مندر ہے جس کے متعلق مشہور ہے

کر اسے پانڈوں نے بن باس کے زمانہ میں بنایا تھا۔ اپنے استاد صاحب سے پانڈوں کی کہانی سنو۔ یہ مندر صرف پتھر سے بنا ہے۔ لکڑی بالکل نہیں لگائی گئی۔ اب بہت شکستہ حالت میں ہے۔

ڈھوک گرجن۔ ڈھوک گرجن کا نام تمہیں پہلے معلوم ہے۔ یہاں سے دریائے پونچھ نکلتا ہے۔ ڈہرانہ سے مشرق کی طرف کوہ پیر پنجال پر واقع ہے۔ اس کی آب وہوا نہایت خوشگوار ہے۔ اس کے پاس ہی سات چشمے واقع ہیں۔ ان میں سے کٹورہ سر۔ ٹنگ سر۔ کالی وچھنی اور نندن سر بہت مشہور ہیں۔ نندن سر سب سے بڑا ہے۔ اس کی لمبائی دو میل اور چوڑائی ایک میل ہے۔

اس قصبہ کے قریب میدانی علاقہ ہے۔ جہاں گھاس بہت افراط سے پیدا ہوتی ہے۔ گجر قوم کے لوگ اپنے مویشی یہاں لے آتے ہیں اور تین تین چار چار ماہ تک یہیں رہتے ہیں

ڈھوک گرجن کو پہنچنے کا راستہ نہایت ہی دشوار ہے۔ راستے میں ندی نالے بہت ہیں۔ مگر پل کسی پر بھی نہیں۔ اس وجہ سے بہت سے لوگ ڈوب کر مرجاتے ہیں۔

ناڑہ خاص۔ لب دریا واقع ہے۔ گرمیوں کیلئے عجیب دلکش مقام ہے

لغلیاز۔ لب دریا بہت خوشنما قصبہ ہے۔ موسم گرما میں راجہ صاحب شکار کے لئے یہاں آتے ہیں۔ اور کئی روز تک کیمپ رہتا ہے۔

میدان سنجی سردر۔ یہ گاؤں ڈہرانہ سے صرف دو میل کے فاصلہ

پر ہے۔ اس جگہ ایک خانقاہ ہے۔ جسے سخی سرور کی خانقاہ کہتے ہیں وہاں ہر سال ایک بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔ جسے دیکھنے کے لئے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔

بہرام گلہ۔ کشمیر کو جاتے ہوئے کوہستان رتن پیر کے درہ میں واقع ہے (نقشے پر دیکھو) یہاں بھی ہوا تیز چلتی ہے۔ (تحصیل صدر کے گاؤں سیکلو سے مقابلہ کرو) جب سردی کے دنوں میں کشمیر میں کوئی شخص اپنے مکان کا روشن دان کھول دے۔ اور اس میں سے نہایت تیز ہوا اندر آنے لگے۔ تو کہا جاتا ہے۔ کہ بھئی تم نے تو بہرام گلہ کھول دیا ہے۔

ہندوستان کے مغل شہنشاہ جہانگیر کی وفات یہیں ہوئی تھی۔ یہاں ایک ڈاک بنگلہ بھی ہے۔

پوشانہ۔ یہ گاؤں بھی کشمیر کے راستہ پر بہرام گلہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں قدرتی نظارے بہت ہیں۔ یہاں بہرام گلہ سے بھی زیادہ سردی پڑتی ہے۔ سرینگر اس جگہ سے ۷۲ میل ہے۔

پرگنہ تھکیالہ پڑاوہ

پرگنہ تھکیالہ پڑاوہ کا حدود اربعہ یہ ہے۔ شمال میں تحصیل مہینڈر۔ جنوب میں جموں کی تحصیل راجوری اور کوٹلی کا کچھ حصہ مشرق

ہیں تحصیل رام پور راجوری اور مغرب میں تحصیل کوٹلی ۔

اس علاقہ میں ۴۲ گاؤں ہیں ۔ یہ علاقہ دراصل مہاراجہ صاحب جموں کا ہے ۔ مگر انہوں نے پونچھ کے راجہ صاحب کو دس ہزار روپیہ سالانہ اجارہ یعنی ٹھیکہ پر دے رکھا ہے ۔ پہلے یہاں ایک علیحدہ تحصیلدار ہوتا تھا ۔ لیکن اب اس کا تعلق مہینڈر تحصیل سے ہے اور اسی جگہ کا تحصیلدار یہاں سے لگان وصول کرتا ہے ۔

اس علاقہ کے لوگ نہایت ہی ان پڑھ اور غریب ہیں ۔ چند چھوٹے چھوٹے جاگیردار بھی ہیں ۔

زبان پہاڑی ہے مگر صاف ہے ۔ علاقہ میں چھوٹے چھوٹے ندی نالے بہت ہیں ۔ مگر برسات کے دنوں میں وہ نہایت ہی خطرناک ہو جاتے ہیں ۔

اس پرگنہ میں ایک مشہور پہاڑ **کھنڈیل** ہے ۔ اس کی عین بلندی پر ایک بہت بڑا خوبصورت میدان ہے ۔ جسے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں ۔

مشہور مقامات

دہروتی ۔ اس علاقہ کا سب سے بڑا قصبہ ہے ۔ یہاں ایک سکول ہے ۔ ایک ڈاک خانہ اور ایک پولیس چوکی ۔

دھڑائی ۔ دہروتی سے مشرق کی طرف ہے یہاں ایک پرائمری

سکول ہے۔

کھنڈار۔ دہروتی سے مغرب کی طرف واقع ہے۔ یہاں بھی ایک پرائمری سکول ہے۔ یہاں کوئلہ کی ایک کان ہے۔ مگر اس میں سے کوئلہ بہت کم نکلتا ہے۔

ڈلبی۔ دہروتی سے شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہاں ایک مدرسہ ہے

کربلہ۔ اس گاؤں میں پانی کی نہایت قلت رہتی ہے۔

منڈہیر متھرانی۔ ان دونوں گاؤں میں ہندوؤں کی آبادی ہے۔

یہ پرگنہ ریاست کے مشہور مقامات سے بہت دور ہے۔ اس لئے حاکم لوگ یہاں بہت کم آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یہاں کوئی سڑک نہیں ہے۔ ایک معمولی سا راستہ دہرمسال مہنڈر سے دہروتی اور بڑالی کالہ تک جاتا ہے۔

سوالات

(۱) تتا پانی کیوں مشہور ہے ؟

(۲) ذیل کے مقامات نقشے پر دکھاؤ۔ اور بتاؤ کہ وہ کیوں مشہور ہیں ؟
کنڈار۔ کھنڈیل۔ بہرام گلہ۔ تاہی۔ منڈہول۔ ڈہوک گرجن اور سورن

(۳) پرگنہ تھکیالہ پڑانہ میں سڑکیں کیوں نہیں ہیں ؟

(۴) تحصیل مہینڈر میں کون کونسے نالے ہیں ؟ اور ان سے کیا فائدہ یا نقصان

پہنچتا ہے؟

(۵) جہانگیر کون تھا؟ تمہاری ریاست میں اس کا نام کس طرح آگیا؟

فصل سوم

تیسری فصل - سدھنتی

اس تحصیل میں سدھن قوم کے مسلمان تمام دوسری قوموں کی نسبت زیادہ آباد ہیں۔ اسی لئے اس علاقہ کو سدھنتی کہتے ہیں۔ تمام تحصیل میں پہاڑی زبان بولی جاتی ہے۔ یہاں کے باشندے کھیتی باڑی اور مزدوری کرتے ہیں۔ مگر اب فوجی ملازمت بھی کرنے لگے ہیں۔ فوجی ملازمت کے لحاظ سے ساری ریاست میں یہ تحصیل اول درجہ پر ہے۔ یہاں آنریری کیپٹن۔ صوبیدار۔ میجر اور دوسرے فوجی عہدوں کے کمیشن افسر ہیں۔ جن کی سرکار دربار میں بڑی عزت ہے۔

یہ تحصیل ایک اور بات کے لئے بھی مشہور ہے۔ وہ یہ کہ اس میں ساری ریاست سے زیادہ ڈاک خانے ہیں۔ جب یورپ کی جنگ عظیم جاری تھی۔ تو سرکار انگریزی نے یہاں کے لوگوں کی فوجی خدمات کا خیال کرتے ہوئے چار ڈاک خانہ اور کھول دیئے۔

(اپنے استاد صاحب سے پوچھو۔ کہ یورپ کیا ہے۔ اور کہاں ہے۔ اور وہاں جنگ عظیم کیوں ہوئی تھی ؟)

اس علاقہ میں ایک عجیب رسم ہے۔ کہ شادی بیاہ کے موقعہ پر لڑکے والے امیر ہوں یا غریب انہیں کچھ نہ کچھ رقم لڑکی کے والدین کو ضرور دینی پڑتی ہے۔ اس رسم کو وہ رم کہتے ہیں۔

تحصیل میں دو نالے ہیں رنگڑا اور گوپٹن برسات کے دنوں میں یہ دونوں نالے بہت خطرناک ہوجاتے ہیں۔

مشہور مقامات

پلندری ۱۹۱۱ء سے اس تحصیل کا صدر مقام ہے۔ پچھمن پتن سے ۱۵ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں کئی سرکاری عمارتیں ہیں۔ مثلاً ہسپتال۔ مڈل سکول (جو ۱۹۱۶ء سے جاری ہے) تحصیل کے دفتر محکمہ جنگلات۔ محکمہ آنریری مجسٹریٹ (جو ۱۹۲۲ء سے جاری ہے) ڈاکخانہ وغیرہ۔ یہاں ایک چشمہ ہے۔ جہاں رانی صاحبہ بلاسپوری نے ایک خوبصورت باؤلی بنوائی ہوئی ہے (اپنے استاد سے پوچھو کہ بلاسپور کہاں ہے ؟

پچھمن پتن۔ ضلع راولپنڈی کی تحصیل کہوٹہ سے بیس میل کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے پار واقع ہے۔ اس مقام کے قریب دریائے جہلم پر ۱۹۰۷ء میں راجہ بلدیو سنگھ آنجہانی نے ایک مضبوط پل بنوایا تھا۔

پل سے پار جنگی خانہ ہے۔ جس کے پاس ہی سرکاری ڈاک بنگلہ بھی ہے یہاں سے ایک اچھا راستہ پونچھ کو جاتا ہے۔

ہجیرہ۔ پلندری سے ۲۷ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں سے پونچھ صرف ۱۶ میل رہجاتا ہے۔ یہاں ایک نالہ ہے جس پر ایک مضبوط پل ہے۔ ڈاک بنگلہ۔ سکول۔ ڈاک خانہ اور تھانہ بھی ہے۔

ہیلان۔ پلندری سے ۱۵ میل ہے۔ پلندری سے پہلے تحصیل کا صدر مقام اسی جگہ تھا۔ یہاں ڈاک بنگلہ اور مدرسہ ہے۔

راولاکوٹ۔ یہاں بھی ڈاک خانہ۔ سکول اور تھانہ ہے۔ یہ مقام ایک وسیع میدان میں واقع ہے۔ جہاں اتنی سردی پڑتی ہے۔ کہ لوگ گرمیوں میں لحاف لیکر سوتے ہیں۔ زمین نمدار ہے۔ غلہ کم پیدا ہوتا ہے۔ البتہ آلو بہت پیدا ہوتے ہیں۔

یہ گاؤں تحصیل باغ اور تحصیل سدھنتی کی سرحد پر واقع ہے۔ یہاں سکھوں کے ایک بزرگ **بھائی روچا سنگھ** کی سمادھ ہے سکھ دور دور سے اس کی یاترا کو آتے ہیں۔

سوالات

(۱) اس تحصیل کو سدھنتی کیوں کہتے ہیں؟

(۲) رم سے تم کیا سمجھتے ہو؟

(۳) تحصیل کا ایک خاکہ کھینچو - اور ذیل کے نام ٹھیک جگہ پر لکھو۔
بھمبر پتن - پلندری - رنگڑا - ہجیرہ - راولاکوٹ - گوئین -
(۴) اس تحصیل میں کون کونسے گاؤں میں ڈاکخانے ہیں؟
(۵) بھمبر پتن کا پل کب بنا اور کس نے بنایا؟

فصل چہارم

چوتھی تحصیل - باغ

یہ تحصیل پونچھ سے شمال مغرب اور تحصیل سدھنتی سے شمال کی طرف واقع ہے۔ اس میں ڈھونڈ - سدھن اور برہمن اقوام کے لوگ زیادہ ہیں۔ ایک مشہور نالہ ہے جس کا نام ماہل ہے۔ یہ نالہ کشمیر کی تحصیل اوڑی کے قریب پہاڑیں سے جو ٹاڑ سٹیر علینجال میں واقع ہے نکلتا ہے۔ اور خاص باغ سے گذرتا ہوا ڈھل کوٹ بانٹیں کے مقام پر دریائے جہلم میں مل جاتا ہے۔ اس پر کہیں کوئی پل نہیں۔ اس لئے ہر سال کئی جانوں کا نقصان ہوجاتا ہے۔ اس کے دہانہ کے قریب مچھلی کا شکار بہت ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر انگریز یہاں آتے رہتے ہیں۔ یہ نالہ صرف ۲۵

میل لمبا ہے۔

تحصیل میں کوئی اچھی سڑک نہیں۔ معمولی راستے ہیں۔ جو برسات کے دنوں میں عموماً ناقابل گزر ہو جاتے ہیں۔

باشندوں کی زبان پہاڑی ہے۔ فوجی خدمات کے لحاظ سے سدھنوتی تحصیل کے بعد یہ تحصیل مشہور ہے۔ کوہالہ یہاں سے قریب ہی ہے اس لئے باغ کے لوگ تجارت اچھی کرتے ہیں۔ اگر کوئی اچھی سڑک بن جائے۔ تو تجارت کو بہت فروغ ہو سکتا ہے۔

اس تحصیل میں چار جاگیردار ہیں۔ سب سے چھوٹی جاگیر ایک سو اسّی روپے سالانہ کی ہے۔ اور سب سے بڑی تین سو روپے کی۔

مشہور مقامات

باغ۔ اس تحصیل کا صدر مقام ہے۔ پونچھ سے ۳۵ میل بجانب شمال مغرب ہے۔ یہاں تحصیل۔ تھانہ۔ مڈل سکول۔ ہسپتال۔ ڈاکخانہ اور خزانہ کے دفتر ہیں۔ پرانے زمانہ کا ایک پختہ قلعہ بھی موجود ہے۔

چھپائی۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس میں ڈھونڈ قوم کے مسلمان رہتے ہیں۔ باغ سے ۲۶ میل کے فاصلے پر ہے اس گاؤں کے اکثر باشندے تعلیم یافتہ ہیں

منگ بجڑی
ہاڑی گھیل } ان دونوں گاؤں میں اعلیٰ درجہ کے خوشبودار چاول (باسمتی) پیدا ہوتے ہیں۔ ہاڑی گھیل میں مدرسہ اور ڈاکخانہ ہے

دہیر کوٹ - باغ سے مغرب کی طرف ۲۴ میل کے فاصلہ پر ہے یہاں تھانہ اور سکول ہے

ٹانیٹں - اسے ڈھل کوٹ بھی کہتے ہیں - یہاں سدھن قوم سب سے زیادہ آباد ہے - دریائے جہلم کے کنارے باغ سے ۲۶ میل مغرب کی طرف واقع ہے -

پاچھوٹ اور ڈھلی میں بھی ایک ایک مدرسہ ہے -

سوالات

(۱) تحصیل کا خاکہ کھینچکر ذیل کے نام ٹھیک مقامات پر لکھو -

منگ بجڑی - دہیر کوٹ - چھپاٹی - باغ - ہاڑی گھل - ڈہل کوٹ -

(۲) اس تحصیل کی تجارت کا کیا حال ہے ؟

(۳) نالہ ماہل کا کچھ حال لکھو

(۴) مدرسے اور ڈاک خانے اس تحصیل میں کہاں کہاں ہیں ؟
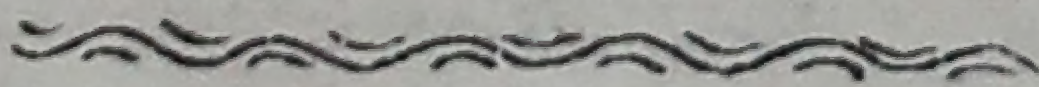
پرگنہ کرلوپ

عرصہ ہؤا یہ پرگنہ راجہ موتی سنگھ آنجہانی راجہ پونچھ کو مہاراجہ صاحب جموں و کشمیر کی طرف سے بطور رسد دیا گیا تھا۔ یہ پرگنہ جموں کی تحصیل میں شہر جموں سے آٹھ نو میل کے فاصلہ پر قصبہ کا ہنہ چک کی جانب واقعہ ہے۔ اس میں صرف تین گاؤں ہیں۔ اول کرلوپ جس کے نام پر یہ پرگنہ مشہور ہے۔ دوم رائے پور تلیسرے کوٹھار۔ ان کی آمدنی آٹھ ہزار روپیہ سالانہ ہے

ریاست پونچھ کی طرف سے ان سب دیہات پر ایک نائب تحصیلدار مقرر ہے جس کا صدر مقام خاص جموں میں ہے۔ جہاں سری راجہ صاحب پونچھ کی ایک عالی شان حویلی بھی ہے۔

سوالات

(۱) پرگنہ کرلوپ پونچھ کے ماتحت کس طرح آیا۔

(۲) اس میں کتنے گاؤں ہیں۔

(۳) ان کا انتظام کون کرتا ہے۔